جلد پنجم

خطیب پاکستان

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نور اللہ مرقدہ

مرتب

مولانا محمد فیاض حیدر قاسمی

ادارہ تالیفات اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ ملتان۔ فون: 540513

باہتمام .... محمد اسحٰق ملتانی عفی عنہ

نام کتاب .... خطبات احتشام

طباعت .... شہزاد جلال گیلانی پریس چوک شہیداں ملتان

ملنے کے پتے

☆ ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

☆ طیب اکیڈمی۔ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

☆ مکتبہ امدادیہ۔ بیت الاشرف باغ حیات سکھر

☆ مکتبہ المعارفی۔ جامعہ اسلامیہ امدادیہ۔ فیصل آباد

☆ ادارہ اسلامیات۔ انارکلی لاہور

☆ مکتبہ رحمانیہ۔ اردو بازار لاہور

☆ مولانا محمد اقبال نعمانی۔ مکی مسجد کراچی

﴿اجمالی فہرست﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

محبت نبی

حدود عقل

ایمانِ محمدی

سال نو کا پیغام

عاشورہ کی فضیلت

معرکۂ حق و باطل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صل علی محمد
وعلی آل محمد کما صلیت
علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید

اللھم بارک علی محمد وعلی
آل محمد کما بارکت علی
ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید

حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ

حضرت مولانا تقی عثمانی کی نظر میں

سفر ہندوستان سے واپسی ہوئی تو لاہور ائیرپورٹ پر اترتے ہی یہ المناک اطلاع دل پر بجلی کی طرح گری کہ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی انتقال فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا کو اجلاس صد سالہ میں شرکت کے لئے دیوبند تشریف لے جانا تھا لیکن ایئر لائن کے ٹکٹ ملنے میں دیر لگی اور آپ بروقت نہ پہنچ سکے۔ لیکن دیوبند ہی میں اطلاع ملی تھی کہ مولانا اجلاس ختم ہونے کے بعد ایک رات کے لئے دیوبند تشریف لائے تھے اور اگلے ہی دن دہلی روانہ ہوگئے۔ احقر دہلی پہنچا تو ایک روز عصر کے بعد احقر جامع مسجد دہلی کے مشرقی دروازے پر کھڑا تھا، وہاں سے سامنے دیکھا تو ایڈورڈ پارک کے کنارے مولانا کسی صاحب سے گفتگو تھے۔ وہی خوش وضع لباس، وہی دلکش انداز، وہی بالکل صحت مند، توانا اور چاق وچوبند! اس وقت احقر رفقاء کے ساتھ تھا اور ایک اور جگہ جانا تھا، اس لئے نیچے اتر کر ملاقات کا موقع نہ تھا۔ خیال تھا کہ انشاء اللہ کسی اور موقع پر ملاقات ہو جائیگی۔ لیکن کسے معلوم تھا کہ یہ مولانا کی آخری زیارت ہوگی۔ پھر ملاقات تو کیا اس پیکر سراپا کی کوئی جھلک نظر نہ آسکی۔ مولانا دہلی سے مدراس تشریف لے گئے اور مدراس ہی میں اچانک دل کا دورہ پڑا اور وہیں پر جمعہ کے دن وفات ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کی ذات پاکستان کی ایک تاریخ تھی۔ وہ ان علماء کرام میں سے تھے جو قیام پاکستان کی جدوجہد میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ شریک رہے اور قیام پاکستان کے بعد جیکب لائنز میں ان کی مسجد اور ان کا مکان مسلسل دینی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنا رہا۔ ایک زمانے تک شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت والد صاحبؒ

حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنیؒ، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ،
حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ اور دوسرے اکابر علماء کی مشاورت اکثر و بیشتر انہی کی قیام گاہ پر
ہوتی رہی۔

مولاناؒ نظریہ پاکستان اور دو قومی نظریے کے زبردست منادی تھے۔ وہ کٹر پاکستانی تھے
اور اس معاملے میں انہوں نے کبھی کسی مداہنت یا مصالحت کو گوارا نہیں کیا۔ انہوں نے شرعی
احکام کی تشریح کے سلسلے میں بھی ہمیشہ تصلب کا مظاہرہ فرمایا اور شریعت میں تحریف و ترمیم
کی کسی کوشش و سازش کو قبول نہیں کیا۔ ۱۹۵۱ء میں ۳۱ علماء کا جو شہرہ آفاق اجتماع ہوا اور
جس میں تمام مکاتب فکر کے علماء نے متحد ہو کر ملک کے بائیس دستوری نکات مرتب
کئے نیز ۱۹۵۳ء میں انہی علماء کے جس اجتماع نے جو دستوری ترمیمات مرتب کیں وہ ملک
میں دینی جدوجہد کی تاریخ کا انتہائی اہم واقعہ تھا۔ ان دونوں اجتماعات کے داعی مولاناؒ تھے
اور یہ زیادہ تر مولاناؒ ہی کی مساعی کا نتیجہ تھا۔ عائلی قوانین پر غور کرنے کیلئے ۱۹۵۵ء میں جو کمیشن
قائم ہوا تھا، اس میں مولاناؒ تنہا ایک عالم دین تھے جنہوں نے اس میں حق گوئی کا پورا حق ادا کیا،
چنانچہ ان کا اختلافی نوٹ تاریخی حیثیت اختیار کر گیا۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے عہد
حکومت میں وہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کے نظریات کے خلاف ڈٹ گئے اور اخبارات
کے ذریعے عوام کو تحریف و ترمیم کے اس فتنے سے خبردار کیا۔ رویت ہلال کے مسئلے میں
انہوں نے ہمیشہ شریعت کے مطابق جرأت مندانہ موقف اختیار کیا۔ اس پاداش میں قید و بند
کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے موقع پر ملک سے سوشلزم کو
روکنے اور عوام کو اس کی دینی حیثیت سے آگاہ کرنے کے لئے مولاناؒ نے جس جانفشانی کے
ساتھ ملک کے دورے کئے وہ مولاناؒ کی ناقابل فراموش خدمت ہے۔

مولاناؒ ملک کے مایہ ناز خطیب تھے۔ وہ خطابت میں اپنے دلکش اسلوب بیان کے
موجد تھے جو ان سے شروع ہو کر انہی پر ختم ہو گیا۔ ان کی دل آویز خطابت نے سینکڑوں
انسانوں کو دین سے قریب کیا اور شاید ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہ ہوگا جہاں مولانا کی دلکش

محبت الٰہی

حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک فرشتہ آیا اور یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو اس اُحد کے پہاڑ کو سونے کا پہاڑ بنادیا جائے اور صرف یہی نہیں کہ اس کو سونے کا پہاڑ بنادیا جائے بلکہ آپ جہاں کہیں بھی جائیں تو یہ پہاڑ آپ کے ساتھ ساتھ چلے تاکہ آپ کی ضروریات پوری ہوسکیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں دنیا میں سونے اور چاندی جمع کرنے کیلئے نہیں آیا ہوں۔ میں تو اس لئے آیا ہوں کہ ایک وقت کھانا کھاؤں اور دوسرے وقت فاقہ کروں تاکہ میری امت اس سے سبق حاصل کرے۔ (ارشاد حضرت خطیب الامت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٤﴾ سُوْرَةُ التَّوْبَة

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ وَالشّٰكِرِيْنَ

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

تمہید بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! آج وہ محفل جس میں ہم اور آپ شریک ہیں یہ کوئی رسمی تقریب اور رسمی جلسہ نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد اصلاحِ احوال اور احکامِ شرع کی تبلیغ ہے، جس کی آجکل ہمیں بہت ضرورت ہے۔ اس لئے کہ جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے ہم اور آپ دین سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور روز بروز حضور اکرم ﷺ کے طریقہ اور آپ ﷺ کی سنت سے ہم دوری اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اس لئے آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اور آپ بیٹھ کر سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کریں کہ واقعی ہمیں کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، کونسا طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہئے۔ اسی مسئلہ کی مجلس آج منعقد کی گئی ہے۔

فطری محبت اور قرآنی شہادت ابھی میں نے قرآن کریم کی ایک آیت آپ

حضرات کے سامنے تلاوت کی ہے جس میں اللہ تعالیٰ ہمیں اس بات کا حکم فرمارہے ہیں کہ ہم کو اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرنی چاہئے، اور محبت بھی ایسی کرنی چاہئے کہ اس سے زیادہ محبت کسی سے نہیں ہونی چاہئے۔ یہاں تک کہ قرآن کریم نے ایسی چیزوں کی ایک فہرست بھی شمار کرادی ہے کہ جن چیزوں سے محبت کرنے پر ہم اور آپ مجبور ہیں۔

مثلاً اولاد کے دل میں ماں باپ کی محبت اور ماں باپ کے دل میں اولاد کی محبت ہوتی ہے اور یہ محبت خون کی محبت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خون کے اندر محبت ڈالدی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی ماں باپ کے دلوں میں اولاد کی عقیدت باقی نہیں رہتی یا اولاد کے دلوں میں ماں باپ کی کوئی عقیدت اور عظمت باقی نہیں رہتی لیکن محبت پر دونوں مجبور ہوتے ہیں۔

مثال مثال کے طور پر (العیاذ باللہ) اگر کسی کی اولاد مرتد ہوجائے تو باوجود اس کے کہ ایک عقیدہ نہیں رہا، ایک دین نہیں رہا جسکی وجہ سے اسکی عظمت اور اسکی عقیدت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن اگر آپ اس کے باپ ہیں تو محسوس کریں گے کہ آپ کے دل میں اسکی محبت ہے۔ یہی محبت خون کی محبت ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ آپ خون کی محبت کو اہمیت نہ دیا کریں اس لئے کہ خون کی محبت بالکل فطری محبت ہے۔۔۔ اسی طریقہ سے اگر کسی کے ماں باپ خدانہ کرے دین سے ہٹ جائیں، مرتد ہوجائیں تو اولاد کے دل میں خون کی محبت تو ہوگی لیکن ان کی عظمت اور عقیدت نہیں ہوگی۔ ان کے ساتھ کوئی ربط وضبط نہیں ہوگا، اٹھنا بیٹھنا نہیں ہوگا، ملنا جلنا نہیں ہوگا البتہ فطری محبت اور قدرتی محبت ضرور ہوگی۔ اس لئے کہ خون کا جو علاقہ ہے اس علاقہ کی بناء پر انسان محبت کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

مذہبی محبت نسبی محبت پر غالب ہوتی ہے معلوم ہوا کہ محبت دو طرح کی

ہوتی ہے۔ ایک خون کی محبت ہوتی ہے اور ایک عقیدے کی محبت ہوتی ہے۔ لیکن واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خون کی محبت کمزور درجہ کی محبت ہے اور عقیدہ کی محبت اور دین کی محبت سب سے زیادہ مضبوط محبت ہے۔

ایک ایمان افروز واقعہ میرے دوستوں میں سے ایک صاحب جو یہیں کراچی (KARACHI) کے اندر رہتے ہیں، وہ نومسلم خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ بڑے دولتمند ہیں اور بڑے تاجروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہے تھے کہ ان کے والد ہندو سے مسلمان ہونے ان کا قصہ تو بہت لمبا چوڑا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ ایک ایسے محلے میں رہتے تھے جہاں ایک چھوٹی سی مسجد تھی۔ کبھی کبھی مسلمانوں کی کچھ باتیں ان کے کان میں پڑ جایا کرتی تھیں۔ جس کی وجہ سے انہوں نے [تصوف کی کتاب] کیمیائے سعادت پڑھنی شروع کی۔ اس کے بعد قرآن کریم کا ترجمہ پڑھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ہدایت ڈال دی اور وہ کسی کے پاس جاکر مسلمان ہوگئے۔ لیکن گھر والوں کو یہ پتہ نہیں تھا کہ یہ لڑکا مسلمان ہوگیا ہے۔ کسی نے ان کے گھر والوں سے جاکر کہہ دیا کہ تمہارا لڑکا مسلمانوں کے ساتھ جاتا ہے اور پانچوں وقت مسجد کے اندر نماز کیلئے جاتا ہے۔ اس کے بعد ان کے ماں باپ نے یہ کیا کہ جب اذان ہوتی تو گھر میں تالا [قفل] لگا دیا۔ اذان کی آواز سن کر وہ لڑکا مسجد کو جانا چاہا تو دیکھا کہ تالا لگا ہوا ہے، چنانچہ اس نے گھر میں ہی وضو کیا اور وضو کرکے اس انتظار میں بیٹھ گیا کہ شاید تالا کھل جائے لیکن تالا نہیں کھلا، جب اس کو یہ اندازہ ہوگیا کہ اب مسجد میں جماعت کھڑی ہوگئی ہوگی تو اس وقت اس نے اپنے گھر میں ہی کپڑا بچھایا اور اللہ اکبر کہہ کر نماز کیلئے نیت باندھ لی۔ اس کے ماں باپ، بھائی بہن سب دیکھ رہے ہیں اور حیران ہیں کہ یہ کیا کر رہا ہے۔ انہوں نے خود ہی یہ واقعہ مجھ سے بیان کیا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ جس وقت میں سجدہ میں گیا ہوں اس وقت میرے ماں باپ اور میرے

بھائیوں نے مجھے اس قدر مارا۔ اس قدر مارا کہ ان کا خیال تھا کہ اسکو یہیں پر ختم کر دینا چاہئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کا بچانا مقصود تھا اس قدر مار کھانے کے باوجود وہ بیچارے نہیں مرے۔ بالآخر چند روز کے بعد اپنا گھر چھوڑ کر کہیں چلے گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا تاجر بھی بنایا مال و دولت کے ساتھ ساتھ اولاد بھی عطا فرمائی اور ان اولادوں کو دیندار بھی بنایا۔

اصل تعلق عقیدے کا تعلق ہے

انداز لگایا آپ نے یہ وہی ماں ہے جو اپنی اولاد سے غایت درجہ کی محبت رکھتی ہے۔ وہی باپ اور وہی بھائی ہیں جن کی محبت میں کوئی کمی نہیں ہوتی لیکن جب یہی ماں باپ اور بھائیوں نے یہ دیکھا کہ اسکا عقیدہ بدل گیا ہے۔ اس کا دین بدل گیا ہے تو ان کی ساری کی ساری محبت عداوت میں تبدیل ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ خون کا تعلق کمزور تعلق ہے۔ اصل تعلق عقیدہ اور دین کا تعلق ہے۔ جتنی جاذبیت انسان کے دین اور مذہب کے اندر ہے اتنی جاذبیت خون، زبان اور وطن میں نہیں ہے۔

تاریخی شہادت

آپ اندازہ لگایئے کہ ابو جہل اور ابو لہب حضور اکرم ﷺ کے خاندان میں سے بھی ہے مکہ کا رہنے والا بھی ہے اور زبان بھی وہی بولنے والا ہے جو حضور اکرم ﷺ اور مسلمانوں کی زبان ہے۔ تو وطن بھی ایک ہے۔ خاندان بھی ایک ہے اور زبان بھی ایک ہے لیکن چونکہ دین و مذہب الگ الگ ہے اس لئے ساری محبت عداوت و دشمنی میں تبدیل ہو گئی۔ دوسری طرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہیں، شکل و صورت اور رنگت اہل حجاز والوں سے مختلف ہے۔ زبان الگ ہے۔ خاندان الگ ہے۔ وطن الگ ہے۔ حبشہ کے رہنے والے ہیں مگر اس کے باوجود حضور اکرم ﷺ نہ کبھی ابو جہل کو گلے سے لگاتے ہیں نہ کبھی ابو لہب کو گلے سے لگاتے ہیں اور گلے سے لگاتے ہیں تو بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو لگاتے ہیں اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ

فرمایا کہ اے بلال حبشی رضی اللہ عنہ! تمہارا کونسا عمل اللہ کو اتنا پسند آگیا کہ میں نے شب معراج میں تمہیں اپنے سے آگے چلتے ہوئے دیکھا اور تمہارے چلنے کی آواز آرہی تھی(۱)۔ فرمایا کہ

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم
ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

فرمانے لگے دیکھئے کہ حسن بصری، بصرہ سے چل کر آتے ہیں اور ایمان کی دولت سے مشرف ہوتے ہیں، صہیب رومی، روم سے چل کر آتے ہیں اور مشرف باسلام ہوتے ہیں، بلال حبشی، حبشہ سے چل کر آتے ہیں اور دولت ایمان سے بہرہ ور ہوتے ہیں لیکن مکہ کی خاک سے پیدا ہونے والا ابوجہل اور ابولہب دولت ایمان سے محروم رہ جاتا ہے۔

فطری محبت کی قرآنی فہرست: تو میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن کی محبت اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں رکھ دی ہے انہیں میں سے اولاد کے دلوں میں ماں باپ کی محبت اور ماں باپ کے دلوں میں اولاد کی محبت بھی ہے۔ فرمایا کہ

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا

ہمیں اچھی طرح یہ معلوم ہے کہ تمہارے دل میں ماں باپ کی بھی محبت ہوگی، اولاد کی بھی محبت ہوگی، بھائیوں کی بھی محبت ہوگی، کنبے کی بھی محبت ہوگی، بیوی کی بھی محبت ہوگی، شوہر کی بھی محبت ہوگی اور اس مال و جائداد کی بھی محبت ہوگی جس کو تم

(۱) ترمذی شریف باب مناقب عمر ابن الخطاب

گن گن کر حفاظت سے جمع کر کے رکھتے چلے جا رہے ہو یا جسکو تم تجارت میں لگائے ہوئے ہو۔

وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا

اور وہ عالی شان مکانات اور وہ بڑے بڑے مکانات جنکو تم پسند کرتے ہو جو تمہارے دلوں کو لبھاتے ہیں، ان کی محبت بھی تمہارے دل میں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس سے کوئی شکایت نہیں ہے، اس لئے کہ یہ بھی ہمارے حکیمانہ نظام کے تحت ہے۔ ان سب چیزوں کی محبت ہم نے ہی تمہارے دلوں میں رکھی ہے، اور محبت ہونی بھی چاہئے۔ کیونکہ اگر بیٹے کے دل میں ماں باپ کی محبت نہ ہو تو وہ ذمہ داریاں (حقوق) جو اللہ تعالیٰ نے اولاد کے اوپر ڈالی ہے کس طرح ادا کرے گا؟

اولاد کی ذمہ داریاں یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ نے والدین کے سلسلہ میں اولاد کے اوپر بڑی بڑی ذمہ داریاں (حقوق) ڈالدی ہیں، بلکہ یہاں تک فرمادیا کہ خبردار! کبھی اپنے ماں باپ کو اُف بھی نہ کہنا۔ اور فقہائے کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی نے نفل نماز کی نیت باندھ رکھی ہے، اور ماں باپ میں سے کوئی آواز دیتا ہے۔ پکارتا ہے اور اولاد کو یہ معلوم ہے کہ اگر میں نے نیت توڑ کر جواب نہیں دیا تو میری ماں کا یا میرے باپ کا دل رنجیدہ ہوجائے گا، وہ یہ سمجھیں گے کہ بیٹا بڑا غافل اور بے ادب ہے تو ایسے وقت میں اولاد کو چاہئے کہ نفل نماز کو توڑ دے اور اپنے ماں باپ کو جواب دے۔ اور جواب دینے کے بعد جب موقع ملے تو اسکی قضاء کرلے۔ جسکا مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد پر اتنی ذمہ داریاں ڈالی ہیں کہ ماں باپ کے دل پر میل بھی نہ آئے۔

والدین کی خدمت کا صلہ حضور اکرم ﷺ نے ایک واقعہ بیان فرمایا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں والدین کی فرمانبرداری سب سے بلند عبادت ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ چند مسافر ایک جگہ سے سفر پر روانہ ہوئے، وہ چلے جا رہے تھے کہ راستے میں بڑی زور کی آندھی آئی اور موسلادھار بارش ہونی شروع ہوئی۔

بڑا زبردست طوفان تھا۔ یہ تینوں مسافر پناہ لینے کیلئے ایک پہاڑ کے غار میں چھپ گئے۔ خیال یہ تھا کہ جب تک آندھی اور بارش ہے اس غار کے اندر پناہ لیں گے اور جب بارش تھم جائے گی تو یہاں سے نکل کر ہم اپنا راستہ لیں گے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب یہ لوگ غار کے اندر داخل ہو گئے تو اتنی زور کی آندھی آئی کہ اوپر سے ایک چٹان لڑھک کر غار کے منہ پر آ گئی جس کی وجہ سے غار کا منہ اس طرح بند ہو گیا کہ غار والے اب باہر نہیں نکل سکتے۔

وہ لوگ رونے گڑگڑانے لگے۔ تینوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ ہم میں سے ہر شخص نے کوئی نہ کوئی نیک کام خالصۃً لوجہ اللہ کیا ہو گا لہٰذا سب کے سب اپنے اپنے نیک کام کا حوالہ دیکر اللہ سے دعا مانگیں کہ اے اللہ اس چٹان کو ہٹا دے۔ چنانچہ سب نے اپنی اپنی نیکی کا حوالہ دیکر اللہ سے دعا کیا۔ کسی نے کہا اے اللہ میں نے فلاں نیک کام خالصۃً تیرے لئے کیا تھا۔ اے اللہ میں اپنی اس نیکی کا حوالہ دیکر یہ کہتا ہوں کہ اس کے وسیلہ سے تو اس چٹان کو ہٹا دے۔ چٹان تھوڑی سی سرک گئی لیکن نکلنے کا راستہ نہیں بنا۔ دوسرے نے اپنے کسی اور نیک کام کا حوالہ دیکر دعا مانگی، چٹان تھوڑی اور ہٹ گئی لیکن اب بھی نکلنے کا راستہ نہیں بنا۔ پھر ان میں جو تیسرا شخص تھا وہ یہ کہنے لگا کہ اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں چرواہا ہوں۔ میرا کام بکریاں چرانا ہے اور میرا یہ معمول ہے کہ میں شام کو جب بکریاں چرا کر واپس گھر آتا ہوں تو بکریوں کا دودھ دوہتا ہوں، اور دودھ دوہنے کے بعد سب سے پہلے میں اپنے ماں باپ کو دیتا ہوں اور جب ان سے بچ جاتا ہے تو پھر اپنے بیوی بچوں کو دیتا ہوں۔

اے اللہ! تجھے یہ معلوم ہے کہ ایک دن میں بکریوں کو چراتا ہوا بہت دور نکل گیا تھا جس کی وجہ سے مجھے گھر آنے میں دیر ہو گئی تھی۔ میرا باپ میرا انتظار کرتے کرتے سو گیا تھا۔ جب میں آیا تو دودھ دوہ کر اس خیال سے کہ میرا باپ کھانے پینے میں

سو گیا ہے دودھ لیکر ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا اور میں نے اس خیال سے باپ کو نہیں جگایا کہ اگر میں نے جگا دیا تو ان کی نیند خراب ہو جائے گی، ان کو تکلیف ہوگی، اس لئے میں نے ان کو جگایا نہیں اور برابر دودھ لئے ان کے سرہانے کھڑا رہا کہ جس وقت میرے والد کی آنکھ کھلے گی اس وقت میں ان کی خدمت میں دودھ پیش کروں گا۔ یہاں تک کہ کھڑے کھڑے رات کا کافی حصہ گذر گیا، لیکن ابھی تک نہ میں نے کھایا ہے نہ بیوی نے کھایا ہے اور نہ بچوں نے کھایا ہے، بچے ساری رات بھوک سے بلبلاتے رہے مگر میں والد کے خیال سے ان کو بھی دودھ نہیں دے رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بچے دودھ پی لیں اور والد کو کم پڑ جائے۔

میں برابر کھڑا رہا، جب ان کی آنکھ کھلی اور یہ دیکھا کہ میرا بیٹا دودھ لئے کھڑا ہے تو انہوں نے فوراً پوچھا کہ تم نے مجھے اٹھا (جگا) کیوں نہیں دیا؟ میں نے کہا: اس لئے نہیں جگایا کہ آپ کو تکلیف ہوگی۔ پھر میں نے ان کو دودھ پیش کیا، جب وہ خوب سیر ہو کر دودھ پی لئے تو پھر میں نے اپنے بیوی بچوں کو دیا۔ اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنے باپ کے ساتھ جو یہ حسن سلوک کیا تھا وہ صرف تیرے واسطے کیا تھا۔ اے اللہ! میں اپنا اس عمل اور اس نیکی کا حوالہ دیکر تجھ سے دعا مانگتا ہوں کہ تو ہماری جان بچا لے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب اس آدمی نے اپنی اس نیکی کا حوالہ دیکر دعا کی ہے تو دیکھا کیا ہے کہ تھوڑی دیر میں وہ چٹان ہٹ جاتی ہے اور باہر نکلنے کا راستہ کھل جاتا ہے۔ (۱) دیکھا آپ نے؟ ماں باپ کی اطاعت و فرمانبرداری میں اللہ نے کیا تاثیر رکھی ہے، اس نیکی کی بدولت اللہ تعالیٰ انسان کو بلاؤں اور بربادیوں سے اور بڑے بڑے خطرات سے بچا لیتے ہیں، اس لئے کہ یہ عبادت اللہ کو بہت پسند ہے۔

---

(۱) بخاری شریف، احادیث الانبیاء، [illegible]، صحیح مسلم [illegible]، سنن ابی داؤد [illegible]

عبادت رب کے بعد اطاعت والدین کا حکم اور وجہ بھی اسکی کچھ میں آتی ہے۔ وہ یہ کہ اگر ہم اور آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس کائنات میں اللہ سے بڑھ کر ہمارا کوئی نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہمیں اور آپ کو زندگی اور وجود دینے والا اللہ ہے۔ وہ ہمارا خالق ہے۔ اور یہ وجود دینا اللہ کا سب سے بڑا احسان ہے۔ لیکن یہ کہ وجود کا ذریعہ اللہ نے کس کو بنایا؟ وجود کا ذریعہ اللہ نے ماں باپ کو بنایا ہے۔ تو وجود دینے والا اللہ ہے اور وجود کا ذریعہ ماں باپ ہیں۔ لہذا ہمارے سب سے بڑے محسن اللہ تعالیٰ ہیں اور اللہ کے بعد ہمارے سب سے بڑے محسن ماں باپ ہیں۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں اپنی عبادت اور بندگی کا ذکر فرمایا ہے وہیں ساتھ ساتھ ماں باپ کی فرمانبرداری اور ان کے احسان کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ فرمایا کہ

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور بندگی کے ساتھ ساتھ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

محبت ہی سکھاتی ہے آداب فرزندی تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگر اولاد کے دل میں ماں باپ کی محبت نہ ہو تو کوئی اولاد اپنے ماں باپ کی ناز برداری نہیں کر سکتا، قدم قدم پر ان کی دلداری اور دلجوئی نہیں کر سکتا، جب انسان کے دل میں محبت ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے دلداری کرنا، دلجوئی کرنا، خدمت کرنا اور اطاعت کرنا یہ سب آسان ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ میرے دوستو! محبت ایک ایسی چیز ہے کہ اگر کسی انسان کے دل میں پیدا ہو جائے تو انسان پہاڑ کو بھی کھود دیتا ہے اور انسان کیلئے مشکل سے مشکل کام بہت آسان اور سہل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر آپ ایک لڑکے کو اس کے ماں باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی خدمت کے اوپر لگا دیکھئے تو وہ کبھی اس

طریقے سے خدمت نہیں کر سکتا جس طریقے سے وہ اپنے ماں باپ کی خدمت کرتا ہے۔

اولاد کی محبت فطری ہے دوسری بات یہ ہے کہ اگر ماں باپ کے دل میں اولاد کی محبت نہ ہو تو وہ اولاد کی وہ ذمہ داریاں (حقوق) جو اللہ تعالیٰ نے ماں باپ پر ڈالی ہیں کبھی پوری نہیں کر سکتا۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ماں باپ کے دلوں میں اولاد کی محبت اور اولاد کے دلوں میں ماں باپ کی محبت اس لئے پیدا کر دیتے ہیں تاکہ دونوں ایک دوسرے کی ذمہ داریوں (حقوق) کو پورا کریں اور اس محبت کی وجہ سے دونوں کا کام آسان ہو جائے۔

اگر مال کی محبت نہ ہوتی تو...... یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کی محبت بھی ہمارے دلوں میں رکھ دی ہے۔ اس لئے کہ اگر ہمارے اور آپ کے دلوں میں مال کی محبت نہ ہو تو ہم اور آپ مال کا حق بھی ادا نہیں کر سکتے۔ جہاں جائیں گے، جس دوکان پر بیٹھیں گے، وہیں پر پیسے چھوڑ کر کھڑے ہو جائیں گے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھئے کہ جو چیز انسان کی نظروں میں بہت اہم ہوتی ہے، جس پر اسکا دل لگا ہوا ہوتا ہے، اسکو انسان کبھی نہیں بھولتا۔ اگر آپ کی جیب میں رقم موجود ہے اور آپ کسی بس (BUS) وغیرہ کے اندر سفر کر رہے ہیں تو آپ کے دل میں یہی بات ہوگی کہ اتنی بڑی رقم میری جیب میں موجود ہے لہذا آپ اس کے اوپر بار بار ہاتھ رکھتے رہیں گے۔ آپ کا ہاتھ جیب پر سے ہٹے گا نہیں لیکن فرض کر لیجئے کہ اگر آپ کو دولت کے ساتھ ذرہ بھی تعلق اور محبت نہ ہو تو جہاں آپ بیٹھیں گے وہیں پر اس کو چھوڑ کر کھڑے ہو جائیں گے، جس جگہ اس کو رکھیں گے بھول جائیں گے، یاد بھی نہیں رہے گا کہ کہاں رکھی ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ مال کا حق بھی انسان اس وقت تک ادا نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کی محبت اس کے دل میں پیدا نہ ہو جائے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول اس لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

اے اللہ ! میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے دل میں مال کی محبت نہیں ہے، مال کی محبت تو میرے دل میں بھی ہے، اور فرمایا کہ میں یہ دعویٰ کیسے کر سکتا ہوں؟ جبکہ آپ نے خود قرآن کریم میں یہ خبر دے دی ہے کہ مال کی محبت ہمارے قلوب میں ڈال دی گئی ہے۔ فرمایا کہ۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

چند چیزوں کی محبت اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں ڈالدی ہے جس میں سے سونے چاندی کی محبت بھی ہے۔ مذہب مجھتے ہیں سونے کو اور مقصد مجھتے ہیں چاندی کو۔ تو ان چیزوں کی محبت اللہ نے ہمارے دلوں میں ڈال دی ہے۔

عہد فاروقی کا سبق آموز واقعہ واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں علاقے کے علاقے اور ملک کے ملک فتح ہوتے چلے جارہے تھے۔ جس کی وجہ سے ایک مرتبہ قیصر و کسریٰ کے خزانے ان کے سامنے لاکر جمع کر دیئے گئے، اور وہ بھی اس طریقہ سے جمع کئے گئے کہ انہیں لاکر ایک میدان کے اندر ڈھیر لگا دیا گیا، اور یہ لکھا ہے کہ سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کا اتنا بڑا ڈھیر تھا کہ اگر دونوں طرف ایک ایک آدمی کھڑا ہو جاتا تو ادھر کا آدمی ادھر کے آدمی کو نہیں دیکھ سکتا۔ یہاں ایک بات میں یہ بھی عرض کردوں کہ اس دور کے لوگوں میں کتنی دیانت اور کتنا تقویٰ تھا کہ کھلے میدان کے اندر خزانے کا اتنا بڑا ڈھیر پڑا ہوا ہے، اور وہاں لشکری اور سپاہی بھی موجود ہیں، عام مسلمان بھی موجود ہیں لیکن ایک بھی ایسی شکایت نہیں آئی کہ رات میں کوئی شخص اس میں سے کچھ چرا کر لے گیا ہے یا کسی نے اس میں ڈاکہ ڈال دیا ہے۔ ورنہ آپ بتایئے کہ اگر آپ کے ملک میں اس طرح ہو تو کیا ہوگا؟ یہی ہوگا کہ صبح تک اس مال و دولت کا نام و نشان بھی نہیں رہے گا۔

امین یورپ کے ایمانداری کا ایک واقعہ | مولانا عبد الماجد دریا بادی رحمۃ اللہ علیہ

نے ایک بڑا اچھا واقعہ نقل کیا ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ یورپ (EUROPE) کے کسی علاقے میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک عورت کو رقم لیکر کہیں جارہی تھی، راستہ میں انکو یہ خیال آیا کہ میں اس رقم کو گنوں اور شمار کروں چنانچہ اس نے رومال کے اندر سے نوٹ نکالا اور گننا چاہ ہی رہی تھی کہ وہ ہاتھ سے گر گیا، اسی وقت ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا جس کی وجہ سے وہ ساری کرنسی (نوٹ) (CURRENCY) ہوا میں اڑ گئی، اب یہ اس کے پیچھے پیچھے دوڑ رہی ہے مگر چونکہ ہوا کی رفتار اس سے زیادہ تیز تھی اس لئے وہ ہوا کے ساتھ ساتھ آگے آگے بھاگے چلے جارہے ہیں، اور راستے میں بڑے چوڑے چوڑے تھے۔ جنکو وہ پار نہیں کر سکتی تھی غرض وہ کرنسی ہوا میں غائب ہوگئی۔

مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ نے لکھا ہے اس نے جاکر اس علاقے کے تھانے میں یہ رپورٹ (REPORT) لکھوائی کہ میرے پاس اتنی مقدار میں کرنسی تھی، میں کہیں جارہی تھی، راستہ میں وہ میرے ہاتھ سے گر گئی اور ہوا کے اندر تیزی کے ساتھ اڑ کر غائب ہوگئی، مجھے نہیں معلوم کہ کن کن لوگوں نے اٹھائی ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ ضرور کسی نے اٹھائی ہوگی اس لئے میں تھانہ کے اندر رپورٹ (REPORT) لکھوا رہی ہوں۔ مولانا نے لکھا ہے کہ جب وہ تھانہ کے اندر رپورٹ لکھوانے کیلئے گئی تو تھانے دار نے کہا کہ ابھی ابھی ہمارے پاس پندرہ سولہ آدمی کچھ کرنسیاں جمع کراکے گئے ہیں، اگر وہ آپ کی ہیں تو آپ یہ بتلادیں کہ وہ کونسی کرنسی ہیں اور کس قیمت کی ہیں؟ اس نے بتلادیا، تو تھانے دار نے اس کے سامنے کرنسی رکھتے ہوئے کہا کہ یہ سب وہ کرنسی، اگر آپ اس کو پہچانتی ہیں تو لے جاسکتی ہیں۔ اس عورت نے کہا جی ہاں! یہی میری کرنسی ہے، اور یہ کہہ کر وہ لے گئی۔

مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ کا اظہار تاسف | مولانا عبد الماجد دریا بادی رحمۃ اللہ علیہ

نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ یورپ کے ایک ملک کا ہے، حجاز کا نہیں ہے، شام کا نہیں ہے، یمن کا نہیں ہے، عراق کا نہیں ہے یا کسی اور اسلامی ملک پاکستان، افغانستان وغیرہ کا نہیں ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ فرض کر لیجئے کہ اگر یہ واقعہ آپ کے ملک میں پیش آتا تو ایمانداری سے بتائیے کہ راستے میں جو جو آدمی بھی کرنسی کو اٹھاتا تو کیا کسی کو توفیق ہوتی کہ اس کو لے جا کر تھانے میں جمع کرا دے؟ اور اگر فرض کر لیجئے کہ وہ جا کر تھانے میں جمع کرا بھی دیتے تو کیا تھانیدار ان کرنسیوں کو مالک کے حوالے کر دیتا؟ بلکہ تھانیدار صاحب تو یہ کہتے کہ جن لوگوں کو یہ کرنسیاں ملی ہیں وہ بڑے بے وقوف تھے کہ ہمارے پاس لا کر جمع کرا گئے، چلو یہ ہماری ہی کرنسیاں ہیں، انہیں ملک کے حوالے کر کے ہم بے وقوف کیوں بنیں؟

محبت نام تھی جس کی گئی تصویر کے گھر سے | مولانا کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مذہب اسلام اور دین اسلام ایسا دین ہے جو اپنے ماننے والوں کو تمام ادیان سے زیادہ دیانتدار اور ایماندار بناتا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ آج ہماری حالت ایسی ہو گئی ہے کہ اس قسم کا واقعہ ہمارے علاقے کے اندر شاید ہی پیش آئے گا۔ لیکن وہاں کی صورت دیکھئے کہ جن جن لوگوں کو وہ کرنسی ملی وہ جا کر تھانے میں جمع کرواتے اور جب یہ صورت رپورٹ لکھوائی گئی تو اس سے پہلے ہی سے وہ کرنسی وہاں موجود تھی۔

مال کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا | تو میں عرض کر رہا تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک میدان کے اندر سونے چاندی کے ڈھیر سے جواہرات کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس خزانے کے پاس تشریف لے گئے، اور اسے دیکھ کر ہاتھ اٹھایا اور فرمایا کہ اے اللہ! میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے دل میں اس مال کی محبت نہیں ہے بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ اس خزانے اور اس ڈھیر کی محبت میرے دل میں ہے اور میں کیسے انکار کر سکتا ہوں؟ جبکہ قرآن کریم میں تو نے یہ

جیسا کہ فرمایا ہے

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

قرآن کریم یہ خبر دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں سونے چاندی کی محبت پیدا کر دی ہے۔ اے اللہ میں یہ دعویٰ کیسے کر سکتا ہوں کہ سونا چاندی کی محبت میرے دل میں نہیں ہے۔ بلکہ میرے دل میں اس کی محبت ہے لیکن میں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگ رہا ہوں کہ اے اللہ اس مال کے اندر جتنا خیر ہو وہ مجھے عطا ہو جائے۔ اور اس مال میں جتنا شر ہو، جتنی خرابی ہو، اے اللہ اس سے مجھے محفوظ فرما۔

دنیا کی بیشتر چیزوں میں خیر و شر دونوں پہلو موجود ہیں۔ میرے دوستو! مال و دولت ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے اندر دونوں پہلو ہیں۔ خیر کا پہلو بھی ہے اور شر کا پہلو بھی ہے۔ جیسے یوں سمجھئے کہ ایک مٹھائی ہے جس کے ایک طرف سے شہد لگا ہوا ہے اور دوسری طرف سے غلاظت اور نجاست لگی ہوئی ہے۔ دنیا کی تمام کی تمام چیزیں تقریباً اسی نوعیت کی ہیں کہ ان میں ایک پہلو خیر کا ہے، دوسرا پہلو شر کا ہے۔ لیکن چند چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے اندر خیر ہی خیر ہے۔ شر کا شمہ نہیں، گندگی کا کوئی شائبہ نہیں ہے اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے اندر گندگی ہی گندگی ہے۔ شر ہی شر ہے۔ خیر کا کوئی پہلو نہیں ہے۔

بعض چیزیں سراپا خیر یا سراپا شر ہیں۔ مثلاً انبیاء کرام علیہم السلام کی ذوات قدسیہ ہیں۔ ملائکۃ اللہ اور فرشتے ہیں۔ قرآن کریم اور مقامات مقدسہ ہیں کہ جہاں پر اللہ کی عبادت اور بندگی کی جاتی ہے۔ ان کے اندر خیر ہی خیر ہے۔ شر کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ اسی لئے حدیث میں آتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ زمین کے وہ خطے کہ جن کے اوپر مسجدیں بنائی جاتی ہیں وہ دوسرے تمام خطوں سے بہتر اور افضل ہیں

اور فرمایا کہ زمین کے وہ قطعے اور وہ علاقے جہاں پر بازار بنے ہوئے ہیں وہ دوسرے تمام علاقوں سے بدتر ہیں۔ اس لئے کہ بازار میں جب انسان بیوپار میں لگ جاتا ہے تو وہ اللہ کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے۔ تو ایک جگہ اللہ سے غافل بنانے والی ہے اور ایک جگہ اللہ کو یاد دلانے والی ہے۔ فرمایا کہ جہاں یاد دلانے والی عمارتیں بنی ہوئی ہیں وہ زمین کا بہترین حصہ ہیں اور جہاں خدا سے غافل کرنے والی عمارتیں بنی ہوئی ہیں وہ اس روئے زمین کا بدترین حصہ ہیں۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں خیر ہی خیر ہے، شر کا کوئی نام ونشان نہیں ہے جیسے انبیاء کرام اور فرشتے ہیں کہ جن میں معصیت اور نافرمانی کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام بھی معصوم ہیں اور ملائکۃ اللہ اور فرشتے بھی معصوم ہیں۔ اور بعض دوسری چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں شر ہی شر ہے خیر کا کوئی نام ونشان نہیں ہے وہ شیاطین وابلیس ہیں۔

شیاطین وابلیس بھی اللہ کی مخلوق ہیں یاد رکھئے! شیاطین وابلیس بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور وہ جو قرآن کریم میں ہمیں اور آپ کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ ہم اپنی زبان سے یہ دعا کریں کہ اے اللہ! ہم مخلوقات کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں تو ان مخلوقات میں شیاطین وابلیس بھی داخل ہیں، فرمایا کہ۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝
وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝

اے اللہ! میں تیری مخلوقات میں سے جتنی چیزیں شریر ہیں ان سب سے پناہ مانگتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی مخلوقات میں شامل ہیں۔ ملائکۃ اللہ اور فرشتے بھی مخلوقات میں شامل ہیں لیکن یہ سراپا خیر ہی خیر ہیں ان میں شر کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔ اور ابلیس وشیطان بھی مخلوقات میں شامل ہے لیکن سراپا

شر ہی شر ہے اس میں خیر کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔

بس ان دونوں قسم کے مخلوقات کو نکال دیجئے۔ ان دونوں کے الگ کرنے کے بعد کائنات میں جتنی مخلوقات اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں ان تمام کی حیثیت یہ ہے کہ ان کے ایک سرے پر خیر ہے تو دوسرے سرے پر شر ہے۔

اولاد خیر بھی ہے، شر بھی ہے

مثال کے طور پر اولاد ہے، وہ خیر بھی ہے، شر بھی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اولاد کو صلاح اور نیکی کی توفیق عطا فرمائی ہے تو وہ خیر ہے لیکن فرض کرلیجئے کہ اگر کسی کو ایسی اولاد مل جائے جو ماں باپ کے نام کو بھی بدنام کرے، خاندان کے نام کو بھی بدنام کرے تو وہ شر ہے۔ ایسی اولاد کے حرکات کو دیکھتے ہی ماں باپ یہ کہنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ ایسی خراب اور بری اولاد پیدا ہوتے ہی مرجاتی۔ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اولاد کے ذریعہ ماں باپ کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں۔ فرمایا کہ

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ
لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اللہ تعالیٰ بعض اوقات دنیا کی زندگی میں اولاد کے ذریعہ ماں باپ کو سزا دیتے ہیں اور اولاد ان کیلئے عذاب بن جاتی ہے۔

مال و دولت موجب نجات بھی ہے اور باعث وبال بھی

تو میرے دوستو! میں یہ عرض کررہا تھا کہ مال کے اندر خیر کا پہلو بھی ہے، شر کا پہلو بھی ہے، اگر آپ مال کو اطاعت و فرمانبرداری کے اندر خرچ کررہے ہیں تو وہ خیر ہی خیر ہے اور اگر آپ اس کو اللہ کی نافرمانی کے اندر خرچ کررہے ہیں تو وہ شر ہی شر ہے۔ اگر آپ مال کی حفاظت کرکے اس کے حقوق ادا کررہے ہیں تو یہی مال آپ کیلئے موجب نجات ہے۔ ورنہ باعث وبال۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

نعم المال الصالح للرجل الصالح

اگر آدمی نیک ہے تو اس کے پاس جو مال آئے گا وہ بھی صالح مال کہلائے گا۔ اور اگر آدمی نیک نہیں ہے تو اس کے پاس جو مال آئے گا وہ مال غیر صالح ہو گا۔ اس کے اندر شر کا پہلو غالب ہو جائے گا۔

صحت و تندرستی میں بھی دونوں پہلو ہیں اسی طرح صحت و تندرستی ہے۔ یہ بھی اللہ کی نعمت ہے لیکن اس میں بھی خیر و شر دونوں پہلو موجود ہیں۔ یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ۔

نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس الصحة والفراغ (۱)

فرمایا کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جن سے لوگ ناواقف اور بے خبر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بڑے خسارے کے اندر ہیں۔ اس نعمت کی قدر نہیں جانتے، فرمایا کہ ایک نعمت تو انسان کی جسمانی اور بدنی صحت ہے اور دوسری فرصت ہے۔

فرصت اللہ کی نعمت ہے فرصت بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اسی لئے شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب تمہیں کوئی ذمہ داری پوری کرنی ہو اور فرصت بھی میسر ہو تو خبردار! اس فرصت کو رائیگاں اور ضائع مت کرنا۔ اس فرصت سے فائدہ اٹھا لینا۔ ممکن ہے کہ تمہارا کوئی ایسا کام آ جائے کہ جس کی وجہ سے وہ نیکی نہ کر سکو۔

مسافر کیلئے فرصت کا استعمال اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ جب آپ سفر کیلئے روانہ ہوں تو اب آپ کی اوقات نماز کے اندر تبدیلی ہو جائے گی۔ گھر پر جو کہ نماز کے جو اوقات تھے ان میں تھوڑا سا فرق آ جائے گا۔ جب آپ گھر پر تھے تو یہ حکم تھا کہ گرمیوں کے زمانے میں ظہر کی نماز ٹھنڈا کر کے پڑھو۔ فرض کر لیجئے کہ اگر ظہر کا وقت تین گھنٹے تک رہتا ہے تو ڈیڑھ دو گھنٹے گذر جانے کے بعد جب وقت ذرا ٹھنڈا ہو جائے تو

(۱) بخاری شریف، کتاب الرقاق / ۲۴۱۲، سنن ترمذی، کتاب الزہد / ۲۲۲۶، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد / ۴۱۷۰

پڑھو۔(۱) اسی طریقہ سے اگر فجر کا وقت ہے تو اتنا سویرا ہو جائے کہ لوگوں کو گھر سے آنے میں دشواری نہ ہو۔ لیکن فرمایا کہ دو حالتوں کے اندر اتنی جلدی کرنا چاہئے کہ جیسے ہی وقت شروع ہو فوراً نماز ادا کرلو۔ ایک سفر کی حالت میں اور ایک بیماری کی حالت میں۔ اگر تم حالت سفر میں ہو تو جیسے ہی ظہر کا وقت شروع ہو فوراً نماز ظہر ادا کرلو۔ جیسے ہی فجر کا وقت شروع ہو تاخیر کئے بغیر اندھیرے میں ہی نماز فجر ادا کرلو۔ اسی طرح بیمار آدمی کو بھی جلدی کرنی چاہئے۔ وجہ یہ ہے کہ مسافر کو یہ نہیں معلوم کہ اگلی منزل جو آنے والی ہے اس میں ایسا موقع ملے گا یا نہیں۔ نماز ادا کر سکیں گے یا نہیں۔ اس لئے یہ جو پہلا وقت مل گیا اس کو غنیمت جانو اور اس پہلے وقت میں ہی نماز ادا کرلو۔

مریض کیلئے فرصت کا استعمال یہی حالت بیمار آدمی کی بھی ہے کہ اگر اس وقت اللہ نے تمہیں موقعہ دیا ہے تو فوراً نماز پڑھ لو اس لئے کہ ممکن ہے کہ پندرہ (۱۵) بیس (۲۰) منٹ کے بعد خدا نہ کرے کوئی درد کھڑا ہو جائے یا کوئی دورہ پڑ جائے یا بیماری بڑھ جائے تو شاید اتنی بھی مہلت نہ ملے کہ تم نماز پڑھ سکو۔ اس لئے فقہاء نے فرمایا کہ مسافر اور مریض کو یہ چاہئے کہ وقت شروع ہوتے ہی جب بھی نماز کا موقعہ ملے نماز پڑھ لے۔

بہرحال! صحت و تندرستی خدا کی ایک نعمت ہے لیکن فرض کر لیجئے کہ اگر انسان صحت و تندرستی کو گناہ اور معصیت کے اندر خرچ کر رہا ہے تو یہ کہا جائے گا کہ اس میں جو خیر کا پہلو تھا وہ اس سے الگ ہو گیا اور شر کا پہلو اس کے ساتھ وابستہ ہو گیا۔

جاہ و منصب میں خیر اور شر کا پہلو اسی طریقہ سے اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو اقتدار و کرسی، عزت و وقار اور سر بلندی عطا فرمائی ہے اگر وہ اس سے کوئی نیک کام میں مدد لیتا ہے، دین کی کوئی خدمت کرتا ہے تو وہ اس کیلئے نعمت ہے، خیر ہے۔ اور اگر

(۱) بخاری شریف باب مواقیت الصلوٰۃ و۔د

اس کے ذریعہ انسان دوسروں کے حقوق تلف کرتا ہے، دوسروں کے اوپر ظلم کرتا ہے تو وہ اس کیلئے شر ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں بڑی اچھی بات کہی ہے، فارسی میں انکا ایک شعر ہے، جس میں وہ یہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے تھانیدار نہیں بنایا، اس لئے کہ اگر وہ مجھے تھانیدار بنادیتا تو پتہ نہیں میں کس کس کے اوپر ظلم کرتا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے میرے ہاتھ میں اقتدار ہی نہیں دیا کہ میں کسی پر ظلم کرسکوں، فرمایا کہ

کجا خود شکر ایں نعمت گذارم

کہ زور مردم آزاری ندارم

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مال و دولت کے دلدادہ نہیں تھے

تو میرے دوستو! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے اللہ! میرے دل میں مال کی اتنی محبت ضرور ہے جتنی کہ تو نے میرے خون میں ڈالدی ہے لیکن اے اللہ! میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اس مال کے شر سے میری حفاظت فرما کر اس میں خیر کا جو پہلو ہے وہ میرے ساتھ وابستہ فرما۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ دعا فرمائی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دل میں مال کی محبت بالکل نہیں تھی، اس لئے نہیں تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے، اور آپ کا مال دولت کے ساتھ جو تعلق تھا اسے آپ لوگ بخوبی جانتے ہیں، ان چیزوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی سخت نفرت تھی، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مال و دولت سے دنیا سے محبت نہیں تھی۔

اس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت و حکومت تقریباً دس سال رہی، اور حکومت بھی اتنی بڑی تھی کہ اگر ہندوستان

و پاکستان دونوں ایک ہو جائیں تو اس سے بھی آٹھ گنا بڑی ان کی حکومت تھی، یعنی دنیا کے تقریباً آدھے حصے پر ان کی حکومت تھی اور دس سال حکومت کرنے کے بعد جب ان کی شہادت ہوئی اور دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کا ہاتھ بالکل خالی تھا۔

حضرت عمرؓ کی شہادت اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ جس دن حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اس کے اگلے دن کسی نے ان کے لڑکے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ کہدیا کہ جس خنجر سے آپ کے باپ کو شہید کیا گیا ہے اس خنجر کو میں نے فلاں آدمی کے پاس رکھا دیکھا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو جوش آگیا اور تلوار لیکر گئے اور اس آدمی کی گردن اڑادی۔

اسلامی قانون کی بالادستی حضرت عبداللہ امیر المومنین کے بیٹے ہیں لیکن بہرحال یہ ان کی غلطی تھی اور ان کا مرتبہ قانون سے زیادہ بڑا نہیں تھا۔ امیر المومنین کے بیٹے ہونے تو کیا ہوا امیر المومنین کا مرتبہ بھی قانون سے بڑا نہیں ہے۔ قانون کی عزت اور قانون کا وقار بالا ہے اور امیر المومنین کا مرتبہ اس سے نیچے ہے۔ اسلام کی عدالت نے صرف سبق نہیں دیا بلکہ واقعات وحقائق کے ذریعہ ہمیں یہ بتلادیا کہ امیر المومنین خواہ کتنا ہی بڑا درجہ رکھتے ہوں لیکن ان کو بھی قانون کا پابند ہو کر چلنا پڑے گا

امیر المومنین اور اسلامی قانون مثال کے طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ امیر المومنین ہیں، ایک یہودی ذرہ لیکر جارہا تھا۔ حضرت امیر المومنین نے کہدیا کہ یہ ذرہ جو تمہارے پاس ہے وہ میری ہے۔ یہودی نے کہا یہ ذرہ آپ کی نہیں میری ہے، آپ کے کہنے کے مطابق اگر یہ ذرہ آپ کی ہے تو عدالت میں جاکر دعویٰ دائر کیجئے، آپ امیر المومنین ہیں تو ہوا کریں باقی، اگر کوئی چیز مجھ سے آپ لے سکتے ہیں تو قانون کے دائرے کے اندر ہی لے سکتے ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ عدالت میں گئے اور جاکر

قاضی شریح کے پاس جو قاضی القضاۃ تھے دعویٰ دائر کر دیا۔ قاضی القضاۃ کا ترجمہ ہے چیف جسٹس (CHIEF JUSTICE) سپریم کورٹ (SUPREME COURT) اعلیٰ عدالت کا جج۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ قاضی شریح کی عدالت میں

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب مقدمہ لیکر گئے تو قاضی شریح نے کہا کہ آپ جو یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ یہ زرہ میری ہے تو اس دعویٰ کیلئے آپ کے پاس شہادتیں ہیں یا نہیں؟ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ہاں میرے پاس شہادتیں ہیں، اسلام میں دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے، میرے پاس بھی دو گواہ ہیں، ایک میرے بیٹے حسن ہیں اور دوسرے میرے آزاد کردہ ایک غلام ہیں قاضی شریح نے فرمایا کہ آپ کے آزاد کردہ غلام کی شہادت تو قابل قبول ہے اس لئے کہ آپ نے اسے آزاد کر دیا ہے اور اب آپ کے ساتھ اسکا کوئی تعلق نہیں رہا لیکن آپ کے بیٹے حسن کی شہادت اصول اور ضابطے کے لحاظ سے قبول نہیں کی جا سکتی ہے کیونکہ وہ آپ کے بیٹے ہیں اور بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں معتبر نہیں ہے لہذا آپ ان کے علاوہ کوئی دوسرا گواہ لائیے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صداقت

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کو ناقابل قبول قرار دینے سے نعوذ باللہ قاضی شریح کا مطلب یہ نہیں تھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے قول میں ناقابل اعتبار ہیں۔ بلکہ اگر خود قاضی شریح سے یہ پوچھا جاتا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صداقت اور انکی سچائی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تو وہ یہی فرماتے کہ ساری ملت کی سچائی ایک طرف رکھ دی جائے تو اس کے مقابلہ میں تنہا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی سچائی رکھی جا سکتی ہے لیکن چونکہ ایک ضابطہ اور اصول ہے کہ بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں معتبر نہیں ہے اور یہ اصول سب کیلئے

یکساں ہے خواہ وہ امیر المومنین ہوں یا ایک ادنیٰ سا آدمی ہو۔ اس لئے قاضی شریح نے فرمایا کہ آپ کے بیٹے کی شہادت معتبر نہیں ہے اس لئے دوسرے گواہ کو پیش کیجئے۔

قاضی شُریح کا فیصلہ حضرت امیر المومنین نے فرمایا کہ میرے پاس سوائے ان دونوں گواہوں کے اور کوئی گواہ نہیں ہے۔ قاضی شریح نے کہا کہ اگر آپ کوئی دوسری شہادت نہیں پیش کر سکتے تو میں آپ کے مقدمہ کو خارج کرتا ہوں۔ آپ ذرہ لینے کے حقدار نہیں ہیں۔ ذرہ اسی یہودی کی ہے۔ عدالت سے امیر المومنین کا مقدمہ خارج ہوگیا۔ حضرت امیر المومنین اور وہ یہودی دونوں کے عدالت سے باہر آگئے۔

یہودی مسلمان ہوگیا اب یہودی اپنے دل میں یہ کہہ رہا ہے کہ ذرہ تو دراصل امیر المومنین ہی کی ہے۔ اور میں نے دینے سے اس لئے انکار کیا کہ یہ لوگ اپنے دین کے متعلق یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا دین اللہ کا دین ہے لہٰذا میں ان لوگوں کا انصاف دیکھنا چاہتا تھا کہ واقعتہً یہ دین اللہ کا دین ہے۔ یا نہیں؟ اگر یہ دین اللہ کا دین ہے تو اسکے اندر ہر ایک کیلئے عدل وانصاف ہوگا۔ آج میں نے دیکھ لیا کہ واقعتہً اس قوم کے اندر عدل وانصاف ہے۔ اور ان کا امیر المومنین بھی قانون اور ضابطہ سے بالاتر نہیں ہے۔ یہ سوچ کر وہ حضرت علی کرم اللہ وجھہ کے پاس آیا اور انکا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا کہ لیجئے یہ ذرہ آپ ہی کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اسکی زبان پر یہ کلمہ جاری ہوگیا۔

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا الرسول اللہ وہ مسلمان ہوگیا۔ (۱)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، عثمان غنیؓ کی عدالت میں تو میرے عرض کرنے کا منشاء یہ ہے کہ جب امیر المومنین بھی ضابطہ اور قانون سے باہر نہیں جاسکتے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کیسے ضابطہ اور

(۱) تاریخ الخلفاء للسیوطی/۲۰۱

قانون سے بالاتر ہو سکتے ہیں؟ ان کا مقدمہ بھی عدالت میں پیش کیا گیا۔ اور جب یہ مقدمہ عدالت میں آیا اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خلافت کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تقریباً دوسرا یا تیسرا دن تھا۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی عدالت میں سب سے پہلے جو مقدمہ آیا وہ یہی (سابق امیر المؤمنین کے بیٹے کا) مقدمہ تھا۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کے لئے جو بڑی بڑی مشکلات پیدا ہوئیں ان کے اسباب میں سے یہ مقدمہ بھی ایک سبب تھا جو ان کیلئے مصیبت بن گیا تھا۔

اسلام میں قتل عمد کا حکم

بہر حال۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی عدالت میں سابق امیر المؤمنین کے بیٹے عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مقدمہ آیا اور یہ مقدمہ قتل عمد کا مقدمہ تھا۔ اور اس سلسلہ میں شریعت کا اصول یہ ہے کہ اگر مقتول کے ورثاء یہ کہیں کہ صاحب، جسکو مرنا تھا وہ بیچارہ تو مرگیا، اب ہم اس کے بدلے میں کسی کی جان لیکر کیا کریں، مگر اس کے بدلے میں ہمیں مال اور فدیہ دے دیا جائے جسکو خون بہا کہتے ہیں تو ہم راضی ہیں تو عدالت غالباً یہ فیصلہ دیتی ہے کہ مقتول کے ورثاء کو خون بہا دیدیا جائے اور قاتل کو چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اگر مقتول کے ورثاء یہ کہیں کہ نہیں صاحب! ہم پیسہ اور خون بہا نہیں لیتے ہمیں تو اس کے بدلے میں جان چاہئے تو عدالت کیلئے اسکو قصاصاً قتل کرنے اور پھانسی دینے کا فیصلہ کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی عدالت میں حضرت عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا جرم ثابت ہوگیا تو انہوں نے ضابطے کے مطابق مقتول کے ورثاء سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ قصاص یا فدیہ؟ کیونکہ یہ بات تو ثابت ہو گئی ہے کہ انہوں نے قتل کیا ہے لہذا اب جیسا تمہارا مطالبہ ہوگا ویسا ہی ان کے ساتھ برتاؤ کیا جائے گا۔ جفینہ مسلمان تھے ان میں مقتول کے ورثاء سے یہ

کہنے لگے کہ بھائی: ذرا سوچو اور غور کرو کہ ادھر امیر المؤمنین کا انتقال ہوا ہے جنہوں نے دس سال اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی ہے اور ابھی تین دن بھی نہیں گذرے کہ آج ان کے بیٹے کو پھانسی دے رہے ہو؟ قتل کر رہے ہو؟ مگر یہاں سوال امیر المؤمنین کے بیٹے کا نہیں تھا، سوال ضابطہ اور اصول کا تھا، اور اصول کے اندر مقتول کے ورثاء کی خواہش کا اعتبار کیا گیا ہے۔ لہٰذا جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیا چاہتے ہیں، قصاص یا فدیہ؟ تو انہوں نے یہ کہا کہ ہمیں جان کے بدلے جان نہیں چاہئے بلکہ جان کے بدلے میں فدیہ اور مال چاہئے۔ کیونکہ اگر کچھ معاوضہ مل جائے گا تو اس مقتول کے بیوی بچوں کا بھی گذارہ ہو جائے گا۔ لہٰذا ہمیں "خون بہا" دیدیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مالی حالت میں نے یہ واقعہ اس لئے سنایا کہ آگے جو بات آرہی ہے وہ سننے کے قابل ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مقتول کے وارثین کو فدیہ کی رقم ادا کر دیں اور عدالت ان کو بری کرتی ہے، اب آپ لوگ اندازہ لگایئے کہ جس شخص نے تقریباً دس سال تک اتنی بڑی حکومت چلائی ہے اور ابھی ان کو شہید ہوئے ایک ہفتہ بھی نہیں گذرا ہے، مگر آج ان کے بیٹے کے پاس اپنی جان بچانے کیلئے اتنی رقم بھی موجود نہیں ہے کہ وہ خون بہا اور فدیہ کی رقم ادا کریں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی فراخ دلی اور جب ان کے پاس پیسہ نہیں تھا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو بہت بڑے مالدار اور تاجر تھے نے فرمایا کہ چونکہ یہ امیر المؤمنین کے بیٹے ہیں اور ان کے باپ صرف امیر المؤمنین ہی نہیں تھے بلکہ ان کے اندر ایسی صلاحیتیں تھیں کہ ان کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی تو میرے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی ہوتے۔ (۱) یہ کہہ کر

(۱) سنن ترمذی باب المناقب / رواه حسن الناقسین / صفحہ ۱۰۰

عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی جیب سے فدیہ کی رقم نکالی اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مقتول کے وارثوں کو ادا کر دیا۔

اسی وجہ سے بعد میں چل کر یہ واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مشکلات اور دشواریوں کے اسباب میں سے ایک سبب بن گیا۔ لوگ کہنے لگے کہ انہوں نے امیر المومنین کے بیٹے کی حمایت کی ہے اور اپنی جیب سے رقم نکال کر انہوں نے دی ہے حالانکہ یہ شرع کے خلاف نہیں تھا، ضابطہ اور اصول کے خلاف نہیں تھا، اس لئے کہ جب مقتول کے وارثین یہ کہ دیں کہ ہم خون بہا اور فدیہ چاہتے ہیں اور قاتل کے پاس فدیہ ادا کرنے کیلئے پیسے نہ ہوں تو پھر اگر جج (JUDGE) خود اپنی جیب سے اسکی مالی امداد کر دے تو یہ اصول وضوابط کی خلاف ورزی نہیں ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چونکہ یہ دیکھا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے دل میں مال و دولت کی محبت قطعاً نہیں ہے اس لئے ان کے دل میں بھی مال کی محبت نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ دس سال حکومت کرنے کے باوجود انتقال کے وقت ان کا ہاتھ خالی تھا۔

سرکار دو عالم ﷺ کی دولت سے بے اعتنائی

حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک فرشتہ آیا اور یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو اس اُحد کے پہاڑ کو سونے کا پہاڑ بنا دیا جائے اور صرف یہی نہیں کہ اس کو سونے کا پہاڑ بنا دیا جائے بلکہ آپ جہاں کہیں بھی جائیں تو یہ پہاڑ آپ کے ساتھ ساتھ چلے تاکہ آپ کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ (۱) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں دنیا میں سونے اور چاندی جمع کرنے کیلئے نہیں آیا ہوں میں تو اس لئے آیا ہوں کہ ایک وقت کھانا

(۱) بخاری کتاب الرقاق

کھاؤں اور دوسرے وقت فاقہ کروں تاکہ میری امت اس سے سبق حاصل کرے۔

قرآن کریم کی عملی تفسیر اب آپ اندازہ لگائیے کہ جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کا یہ طریقہ اور یہ طرز زندگی اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور آپ ﷺ ہی کی تربیت میں رہے ہیں ان کے دل میں مال کی محبت کیسے پیدا ہو سکتی ہے؟ اور صرف یہی نہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے دل میں مال کی محبت نہیں تھی بلکہ قرآن کریم کے جتنے بھی احکام ہیں اور جتنے آیات قرآن کریم کے نازل ہوئے۔ ان پر سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے عمل کیا اور اس طریقہ پر عمل کیا کہ اگر قرآن کریم کے الفاظ اور رسول اللہ کے عمل دونوں کو سامنے رکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ الفاظ قرآن ہیں اور یہ اس کے معنی ہیں اس طریقہ پر رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کے ہر ہر حکم پر عمل کیا ہے۔

حکم زکوٰۃ پر کبھی عمل کی نوبت نہیں آئی لیکن قرآن کریم کا ایک حکم ایسا بھی ہے کہ جس پر حضور اکرم ﷺ کو پوری زندگی میں عمل کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اور وہ حکم بھی ایسا اہم حکم ہے کہ اگر جان بوجھ کر اسکو چھوڑ دیا جائے اور ترک کر دیا جائے تو ترک کرنے والوں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ کونسا حکم ہے؟ وہ زکوٰۃ کا حکم ہے! آپ ﷺ نے نماز کے فریضہ کو ادا کیا، روزے کے فریضہ کو ادا کیا، حج کے فریضہ کو ادا کیا اور جہاد کے فریضہ کو ادا کیا لیکن ساری زندگی اور پوری عمر میں زکوٰۃ کے فریضہ کو ادا کرنے کی کبھی نوبت ہی نہیں آئی۔ اور نوبت کہاں سے آتی؟ اس لئے کہ زکوٰۃ تو اس وقت واجب ہوتی ہے جبکہ کسی پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا جمع ہو اور جمع ہونے پر بھی سال گذر چکا ہو۔ جبکہ حضور اکرم ﷺ نے ساڑھے باون تولہ چاندی تو درکنار ساڑھے باون پیسے بھی کبھی جمع نہیں فرمایا، ساڑھے سات تولہ سونا درکنار ساڑھے سات روپیہ بھی کبھی آپ ﷺ نے جمع نہیں کیا۔ اور جب آپ ﷺ نے پوری زندگی کبھی کوئی رقم اپنے پاس جمع

نہیں فرض تو زکوٰۃ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بس حضور اکرم ﷺ زکوٰۃ ادا کرتے تھے لیکن وہ زکوٰۃ ہماری اور آپ کی زکوٰۃ سے الگ ہوتی تھی۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا سجدۂ عشق حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت، سجدہ کے کیا شرائط ہیں؟ انہوں نے فوراً پوچھا کہ کس کا سجدہ؟ تمہارا یا ہمارا؟ اس نے کہا جی حضور، سجدہ تو سب کا برابر ہے، آپ بھی مسلمان ہیں، میں بھی مسلمان ہوں، پھر ہمارا سجدہ الگ الگ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا کہ نہیں تمہارا سجدہ دوسرا ہے، ہمارا سجدہ دوسرا ہے۔ تمہارا سجدہ یہ ہے کہ ناک کا نرم حصہ اور پیشانی زمین پر ٹک جائے تو سمجھو کہ تمہارا سجدہ پورا ہو گیا۔ لیکن فرمایا کہ ہم فقیروں کا سجدہ یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں سر جھک جائے تو جب تک جسم سے جان نہ نکل جائے اس وقت تک سر اوپر نہ اٹھائیں۔ یہ ہمارا سجدہ ہے اور ہمارے اور تمہارے سجدے میں یہی فرق ہے۔ فرمایا کہ ؎

آں سجدہ کہ سر زتن نہ گردد جدا
در کشورِ عاشقاں بجز نام کردہ اند

ہم ایسے سجدے کو سجدہ سمجھتے ہیں کہ جس میں انسان اپنا سر تو اللہ کے سامنے جھکا دیتا ہے لیکن اپنی جان اللہ کی خدمت میں پیش نہیں کرتا۔

حضور اکرم ﷺ کی زکوٰۃ یہی حال زکوٰۃ کا ہے، ہماری اور آپ کی زکوٰۃ الگ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی زکوٰۃ الگ ہے۔ ہماری اور آپ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا جمع ہو جائے اور اس پر سال گزر جائے اور وہ بھی اپنی ضروریاتِ اصلیہ سے فارغ ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ ضروریات سے فارغ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا بھی ہے اور

کچھ قرضہ بھی آپ کے اوپر ہے اب اگر آپ قرضہ اتارنے کیلئے آئیں تو پھر آپ
کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا نہیں بچے گا بلکہ اس سے کم رہ جائے گا، تو آپ کے
اوپر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ بلکہ اصلی ضرورتوں کو پورا کرنے کے بعد اگر ساڑھے سات
تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی بچے یا اس کے بقدر کوئی دوسرا مال ہے تو سال بھر
گذرنے کے بعد ہر دو آپ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ لیکن حضور اکرم ﷺ کی زکوٰۃ یہ تھی کہ
اگر آپ کے پاس ایک تولہ سونا یا چاندی بھی کہیں سے آجاتا تو اس سونے یا چاندی پر
رسول اللہ ﷺ کے گھر میں ایک رات بھی نہیں گذر پاتی تھی کہ آپ ﷺ
انہیں فقراء اور مساکین پر تقسیم فرما دیا کرتے تھے آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ
رسول کے اوپر ایک رات بھی ایسی نہیں گذرنی چاہئے کہ ان کے گھر میں سونا اور
چاندی رکھے ہوئے ہوں، تو جب حضور اکرم ﷺ کی زکوٰۃ یہ تھی تو وہاں فریضہ کی
زکوٰۃ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مسلمان بحیثیت قوم مالدار کیوں نہیں؟ اس سے بھی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ
حضور اکرم ﷺ کے دل میں مال کی محبت نام کیلئے بھی نہیں تھی ورنہ اگر آپ کے
دل میں مال کی محبت ہوتی تو زیادہ نہیں تو کچھ نہ کچھ ضرور آپ ﷺ کے پاس جمع
رہتا، مگر آپ ﷺ نے کبھی کچھ نہیں جمع فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ اٹھا کر آپ
دیکھ لیجئے، مسلمانوں کے اوپر دنیا میں چودہ سو سال گذر گئے ہیں، چودہ صدیاں گذر گئی ہیں
لیکن تاریخ میں آپ ایک صدی بھی ایسی نکال کر نہیں دکھا سکتے کہ جس میں مسلمان
بحیثیت قوم اقوام عالم میں سب سے زیادہ مالدار قوم رہی ہو، بنیوں کی طرح، یہودی قوم کی
طرح دنیا میں سب سے زیادہ مالدار قوم مسلمان کبھی نہیں رہے۔

عشق رسول کا فلسفہ جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں اللہ اور اس کے
رسول کی جو محبت ہے اسکی وجہ سے ان کے دلوں میں مال کی اتنی محبت کبھی پیدا ہوئی

حسن ملکی ہے کہ یہ دنیا کی سب سے مالدار قوم بن جاتے۔ بلکہ اگر مسلمانوں کے پاس قومی حیثیت سے اگر کوئی خزانہ تھا تو وہ علم کا خزانہ تھا، اخلاق کا خزانہ تھا، تقویٰ اور نیکی کا خزانہ تھا لیکن سونے اور چاندی کا خزانہ مسلمانوں کے پاس کبھی نہیں تھا۔ دنیا کے آدھے حصے پر مسلمانوں نے حکومت و سلطنت کی لیکن اس وقت بھی مسلمان دنیا کی سب سے زیادہ مالدار قوم نہیں تھی۔ حالانکہ بہت سی قومیں حکومت و سلطنت کی وساطت اور اس کے ذریعے سے دولت اور سرمایہ جمع کر کے مالدار ہوتی ہیں۔ تقریباً پانچ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ تک مسلسل اور متواتر مسلمانوں کی حکومت رہی ہے مگر اس کے باوجود اتنے دور حکومت میں ساری قوم مالدار ہو گئی ہو ایسا کبھی نہیں ہوا۔ بلکہ مال ودولت کے اعتبار سے ہمیشہ مسلمانوں کی حیثیت کمزور رہی ہے جبکہ دوسری قوموں کے پاس مال ومتاع اور ساز وسامان ہمیشہ سے زیادہ رہا ہے۔

یہود کا مطمحِ نظر مثلاً یہود قوم کو دیکھئے، صرف ان کی سو سال کی تاریخ آپ کو بتلائے گی کہ ہمیشہ ان کے پاس مال ودولت زیادہ رہی ہے، اور یہ قوم دنیا میں سب سے زیادہ مالدار قوم رہی ہے۔ قرآن کریم نے بھی ان کی مالداری کا ذکر کیا ہے۔ جب حضور اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے اس وقت بھی ان لوگوں کا سودی کاروبار چلتا تھا اور یہ لوگ سود کے اوپر لوگوں کو روپیہ دیا کرتے تھے، لیکن جب حضور اکرم ﷺ نے سود کی حرمت کا اعلان کیا تو ان کا یہ کاروبار ختم ہو گیا اور جو غریب ان کی ہتھوں کے اندر دبے ہوئے تھے وہ سب کے سب آزاد ہو گئے۔

فطری محبت مگر کس حد تک؟ تو خیر بات یہاں سے چلی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دی ہے۔ جن میں سے اولاد کی محبت ہے، ماں باپ کی محبت ہے، مال وجائداد کی محبت ہے۔ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ تمام چیزیں ایسی ہیں کہ جن کی محبت ہم نے تمہارے دلوں میں پیدا کر دی ہے

اور یہ ہماری حکمت کا تقاضہ ہے۔ اس لئے کہ اگر ہم ان چیزوں کی محبت تمہارے دلوں میں پیدا نہ کرتے تو تم ان کے حقوق ادا نہیں کر پاتے۔ لیکن ایک بات کا خیال رکھو، وہ یہ کہ ان سب چیزوں کی محبت کوئی عیب نہیں ہے۔ کوئی جرم نہیں ہے، شوق سے کرو، اگر تم ماں باپ ہو تو بے شک اپنی اولاد سے محبت کرو، لیکن خبردار، اولاد سے ایسی محبت ہرگز نہ کرنا کہ اس کی وجہ سے اللہ کو بھی بھلا دو، اللہ کے رسول کو بھلا دو۔ یعنی اولاد کی محبت کو اللہ اور اس کے رسول کی محبت پر غالب نہ ہونے دینا۔ اگر تم نے ایسا کیا کہ اولاد کی محبت کو غالب کر دیا اللہ اور اس کے رسول کی محبت پر، تو تم خدا کی نظر میں عذاب کے مستحق ہو جاؤ گے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے ماں باپ کا واقعہ بیان فرمایا ہے جنکے دلوں میں اولاد کی محبت اتنی بڑھ گئی تھی کہ اس کی وجہ سے خدا اور خدا کے رسول کی محبت کم ہو جانے کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا۔

حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کا واقعہ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا واقعہ آپ کو یاد ہو گا۔ قرآن کریم کے پندرہویں پارہ کے آخر میں اور سولہویں پارہ کے شروع میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ پورا واقعہ تو بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ مختصراً یہ کہ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام سفر میں چلے جا رہے ہیں۔ دیکھا کہ دریا کے کنارے ایک کشتی جا رہی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام براہ راست خدا کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بغل میں شریعت کی کتاب ہے جس میں جائز و ناجائز کے احکام لکھے ہوئے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام آگے بڑھے اور کشتی پر جا کر اس کا ایک تختہ نکال دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذہن میں فوراً یہ بات آئی کہ یہ تو جائز نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا

آپ نے یہ کام اچھا نہیں کیا، یہ جائز نہیں ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا۔

اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا

فرمایا کہ میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ میرے کاموں کو برداشت نہیں کر سکیں گے۔ دیکھئے: پھر وہی کیا نا آپ نے؟ فرمایا کہ اچھا معاف کیجئے: میں بھول گیا تھا۔ اب میں دخل نہیں دوں گا:

قرآن کریم نے کہا کہ یہ دونوں پھر آگے تو پیچھے دیکھ کر گلی میں ایک نہایت حسین و جمیل اور معصوم بچہ کھیل رہا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام آگے بڑھے اور اس بچے کو ایسا مارا کہ وہ ہلاک ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے چین ہو گئے۔ تڑپ گئے اور فرمایا کہ۔

قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا

یہ آپ نے کیا کیا؟ ایک بے قصور بچے کو آپ نے قتل کر دیا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ اعتراض کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھئے میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ میری باتوں پر صبر نہیں کر سکیں گے۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا

جو میں نے کہا تھا اب وہ سامنے آگیا۔ لہٰذا اب ہم اور آپ جدا ہو جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا دو موقع آپ نے دیئے اور ان دونوں موقعوں پر واقعی میں خاموش نہیں رہ سکا۔ اب ایک اور موقع مجھے دے دیجئے! میں کوشش کروں گا کہ اب میں آپ پر کوئی اعتراض نہ کروں۔

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ ۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ
قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا

اگر اس کے بعد کوئی اعتراض کروں گا تو آپ بے شک مجھے الگ کر دیجئے گا۔

چنانچہ حضرت موسیٰ اور خضر علیہم السلام پھر آگے چلے۔ فرمایا کہ۔

فَانْطَلَقَا حَتّٰى إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةِ ۨ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ

ایک بستی کے اندر پہنچے اس بستی میں کسی کو کوئی نہیں جانتا تھا ان کے پاس کھانے پینے کا سامان بھی نہیں تھا اس لئے انہوں نے چاہا کہ اگر کوئی مزدوری کا کام مل جائے تو مزدوری کر کے اپنا پیٹ بھر لیں۔ اسی تلاش و جستجو میں تھے کہ دیکھا ایک مکان کی دیوار گرنے کے قریب ہو رہی ہے حضرت خضر علیہ السلام آگے بڑھے اور اس دیوار کو اپنے معجزے کے سہارے سے درست کر دیا برابر کر دی۔

اعتراض میں بھی لطافت | حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خیال تھا کہ اب اگر میں اعتراض کیا تو جدائی ہو جائے گی اس لئے انہوں نے اعتراض کے انداز میں تو کچھ نہیں کہا البتہ صرف اتنا کہا کہ اگر دیوار ٹھیک کرنے کا یہ کام ہم دونوں مل کر اجرت و مزدوری کے طور پر کر لیتے تو ہمارے گزارے کا سامان بھی ہو جاتا ہمارے کھانے پینے کا انتظام بھی ہو جاتا۔ فرمایا کہ:

قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعتراض نہیں ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی اعتراض ہے بعض اوقات اعتراض کرنے کے طریقے الگ الگ ہوتے ہیں۔

ایک نوشہ کا دلچسپ واقعہ | ایک صاحب کی شادی ہو رہی تھی انہوں نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ بھائی میری شادی ہو رہی ہے میرے پاس دوشالہ نہیں ہے اور تمہارے پاس بڑا قیمتی دوشالہ ہے جب میں نوشہ بن کر شادی کرنے جاؤں گا تو تم اپنا دوشالہ دے دینا۔ اس نے کہا شوق سے لے جائیے گا چنانچہ یہ صاحب نوشہ بنے ہوئے وہ شالہ اوڑھ کر شادی کرنے کیلئے چلے راستہ میں ایک بستی پر گذر ہوا تو لوگوں نے پوچھا کہ بھائی، نوشہ کہاں ہے جن صاحب کا دوشالہ تھا وہ فرمانے لگے کہ

فضا، اور اچھے جذبات کے ساتھ ہونی چاہئے۔ اس لئے جدا ہونے سے پہلے میں نے جو کچھ کیا ہے اور جس کے بارے میں آپ نے تین مرتبہ مجھے ٹوکا ہے اس کے متعلق خدا کی حکمت کی بات بتاتا چلوں تاکہ بات آپ کی سمجھ میں آجائے کہ میں نے کشتی کیوں توڑی تھی؟ بچہ کو کیوں قتل کیا تھا؟ اور دیوار کیوں سیدھی کی تھی؟ اس لئے کہ جب کوئی بات کسی انسان کے سمجھ میں نہیں آتی ہے تو اس کی وجہ سے اس کے دل میں بدگمانی اور خلش پیدا ہوجاتی ہے۔ اسی لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ جب کبھی اس کے طرف سے کسی کے اندر بدگمانی پیدا ہوجائے تو فوراً اس کو دور کردے۔

سوء ظن سے بچنے کی نادر مثال حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ مسجد کے اندر اعتکاف میں تھے، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے ایک بیوی جو غالباً حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ سے کوئی بات کرنے کیلئے تشریف لائیں۔ آپ ﷺ ان سے گفتگو فرمارہے تھے اندھیرے کا وقت تھا، اور تنہائی تھی۔ آپ ﷺ ان سے گفتگو میں مشغول تھے کہ بعض صحابہ کا وہاں سے گذر ہوا، وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر آگے بڑھ گئے۔ فوراً حضور اکرم ﷺ نے ان کو بلایا اور فرمایا کہ یہ خاتون جن سے میں گفتگو کررہا ہوں میری فلاں بیوی ہیں، صحابی نے عرض کیا، یارسول اللہ: آپ کو یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

اتقوا مواضع التهم (۱)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ تہمت کی جگہ سے انسان کو بچنا چاہئے۔ یعنی اگر اس قسم کا واہمہ اور اس قسم کا خیال کسی کے دل میں پیدا ہوسکتا ہو تو فوراً اس کی صفائی کردینی چاہئے۔

حضرت خضر علیہ السلام کی صفائی اسی طریقہ سے حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت

(۱) (بخاری شریف باب ھل یخرج المعتکف لحوائجہ الی باب المسجد)

ٹوٹ سکا، وہ محبت کا بت تھا، ایاز کو بت بنا کر تو تم نے اپنے دل میں بٹھا لیا۔

الامر فوق الادب ایاز کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ محمود غزنوی نے تمام امراء دربار کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ بڑے بڑے امراء، بڑے بڑے جاگیردار اور وزراء سب جمع ہوگئے۔ ایاز بھی وہاں موجود تھا۔ محمود غزنوی کے پاس ایک بڑا قیمتی ہیرا تھا۔ اس نے وہ ہیرا لیکر اپنے ایک وزیر کو دیا اور کہا کہ تم اس ہیرے کو زمین پر اس قدر زور سے دے مارو کہ وہ ٹکڑا ٹکڑا ہو جائے۔ اس نے کہا جی حضور! میں آپ کا بڑا نمک خوار ہوں۔ میرے اندر یہ ہمت نہیں ہے کہ میں آپ کی اتنی قیمتی چیز کو توڑ دوں۔ پھر دوسرے وزیر کو دیا پھر تمام درباری امیروں کو دیا لیکن سب نے ایک ہی جواب دیا کہ حضور! میرے اندر یہ ہمت نہیں ہے کہ میں آپ کے اس قدر قیمتی ہیرے کو توڑ دوں۔

یہ لکھا ہے کہ آخر میں ایاز کا نمبر آیا تو محمود غزنوی نے ایاز سے کہا کہ تم اس کو توڑ دو۔ ایاز نے اس ہیرے کو ہاتھ میں لیا اور اس قدر زور سے زمین پر دے مارا کہ اس کو چورا چورا (ٹکڑا ٹکڑا) کر دیا۔ تمام درباری امراء اور درباری وزراء ایاز کو ملامت کرنے لگے کہ ارے تو بادشاہ کا نمک خوار ہے، بادشاہ کا غلام ہے لیکن تجھے اتنا بھی خیال نہیں ہوا کہ بادشاہ کا اتنا قیمتی ہیرا توڑ دیا؟! ایاز نے بڑا اچھا جواب دیا، اس نے کہا، ارے بے وقوفو! تمہیں یہ نہیں معلوم کہ میں نے تو صرف بادشاہ کا ہیرا توڑا ہے لیکن تم لوگوں نے اس سے بھی زیادہ قیمتی چیز توڑی ہے، یعنی بادشاہ کا حکم توڑا ہے، بادشاہ کا حکم ہیرے سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ بادشاہ نے یہ حکم دیا تھا کہ تم یہ ہیرا توڑ دو لیکن تم سب نے انکار کر کے بادشاہ کے حکم کو توڑ دیا۔

ایک سبق تو میرے دوستو! ہیرا اتنا قیمتی نہیں ہے جتنا بادشاہ کا حکم قیمتی ہے، تو جس آدمی کے دل میں ہیرے کی عظمت ہوگی اس کے دل میں بادشاہ کے حکم

کی عظمت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طریقے سے اگر کوئی آدمی کاروبار کے اندر یا دین کے اندر احکام شرع کی خلاف ورزی کر رہا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے خلاف کر رہا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اسکے دل میں پیسے کی قدر ومنزلت ہے، بادشاہ کے حکم کی کوئی قدر ومنزلت نہیں ہے۔ اس کے دل میں مال وجائداد کی محبت اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے زیادہ ہے۔ جبکہ قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ آپ شوق سے ماں باپ سے محبت کریں، آپ شوق سے اولاد سے محبت کریں، آپ اپنے بھائیوں اور کنبے والوں سے محبت کریں، اپنے مال وجائداد سے محبت کریں لیکن ایک بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت ان سب چیزوں کی محبت سے اوپر اور بلند رکھنا، سب سے اوپر اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت ہونی چاہئے۔ اسکے بعد ان چیزوں کی محبت ہونی چاہئے۔

دنیا کی حقیقت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بڑی اچھی مثال لکھی ہے۔ لکھا ہے کہ زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے کشتی۔ آپ نے بعض علاقوں کے اندر دیکھا ہوگا کہ لوگ سڑکوں پر بیٹھ کر کشتیاں بناتے ہیں، سال چھ مہینے میں کشتی تیار ہوتی ہے۔ اب آپ بتائیے کہ جب کشتی بن کر تیار ہو جاتی ہے تو پھر کس میں چلتی ہے؟ ریت میں چلتی ہے؟ ہوا میں اڑتی ہے؟ نہ وہ ریت میں چل سکتی ہے نہ ہوا میں اڑ سکتی ہے، وہ پانی میں چلتی ہے۔ تو فرمایا کہ انسان کی زندگی کشتی کی طرح ہے، اس کو چلانے کیلئے پانی کی ضرورت ہے۔ وسائل زندگی، زندگی کا اسباب ومتاع، ساز وسامان اس کشتی کا پانی ہے۔ انسان کے پاس مکان بھی ہو، انسان کے پاس مال ودولت اور کاروبار بھی ہو، انسان کے پاس آل واولاد بھی ہو، ضرورت وحاجت کی تمام چیزیں مہیا ہوں، یہ سب دراصل اس کشتی کیلئے پانی ہیں، اسکے بغیر یہ کشتی چل نہیں سکتی۔ لہٰذا اگر کوئی ان ضرورت اور حاجت کی چیزوں کو اپنے پاس

جمع کر لیتا ہے تو وہ اچھا کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ترک دنیا اور رہبانیت کی تعلیم نہیں دی ہے آپ سے یہ نہیں کہا کہ آپ دنیا کو ترک کر کے پہاڑی کھوہ میں جا کر اللہ کی عبادت و بندگی کریں۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ زندگی کی گاڑی کشتی کی طرح ہے اور سازو سامان زندگی اس کشتی کا پانی ہے۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں ایک سبق اچھی طرح یاد رکھنا، وہ یہ کہ پانی جب کشتی کے نیچے ہوتا ہے تو کشتی آسانی سے چلتی ہے اور منزل پر پہنچا دیتی ہے لیکن اگر کہیں کشتی میں سوراخ ہو گیا اور اس کے اندر پانی آ گیا تو یاد رکھو کشتی بھی ڈوب گئی کشتی والے بھی ڈوبیں گے۔ فرمایا کہ آپ دنیا کی تمام چیزوں سے محبت کریں لیکن اس کا خیال ہمیشہ رکھیں کہ ان سب چیزوں کی محبت اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت سے نیچے رہنی چاہئے ان سب چیزوں کی محبت دل سے باہر رہنی چاہئے، دل کے اندر صرف اللہ کی محبت اور اللہ کے رسول کی محبت رہنی چاہئے۔

جسکا مطلب یہ ہے کہ اسلام ان چیزوں کے حاصل کرنے کو منع نہیں کرتا مگر یہ کہتا ہے کہ ان چیزوں کی محبت اللہ اور اس رسول کی محبت سے زیادہ نہ ہونی چاہئے۔

خلاصہ کلام میرے دوستو! قرآن کریم کی ان آیتوں کے اندر جنکی میں تلاوت کی ہے یہی سبق دیا گیا ہے کہ جب تک انسان اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں کرتا ہے اس وقت تک اس کے احکام پر دین پر عمل کرنا اس کیلئے مشکل رہتا ہے۔ لہذا میرے دوستو جن جن طریقوں سے ہمارے دلوں میں اللہ اور اسکے رسول کی محبت پیدا ہو سکتی ہے ان تمام طریقوں کو ہمیں اختیار کرنا چاہئے۔ اور اس کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا چاہئے جن کے دلوں میں اللہ کی محبت اور اللہ کے رسول کی محبت ہے، کیونکہ صحبت کا بہت اثر پڑتا ہے۔ اگر آپ شکر نہیں

پیتے ہیں، تو سگریٹ پینے والوں کی صحبت میں بیٹھیں گے تو چند روز میں آپ سگریٹ پینے لگیں گے۔

اگر آپ کے دل میں تماشہ دیکھنے کا شوق نہیں ہے لیکن تماشہ دیکھنے والوں کی صحبت میں اگر آپ بیٹھیں گے تو یہ شوق آپ کے اندر بھی پیدا ہو جائے گا۔ اگر آپ نماز نہیں پڑھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ نماز پڑھیں تو نمازیوں کی صحبت اختیار کریں چند دنوں میں آپ نماز پڑھنے لگیں گے۔

اسی طرح اگر ہم اور آپ عاشقوں اور اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھیں گے تو عشق و محبت کرنے کا طریقہ ہمیں آ جائے گا۔ اور جب ہمارے اندر اللہ اور اس کے رسول سے عشق و محبت پیدا ہو جائے گی تو میرے دوستو! پھر ہماری زندگی درست ہو جائے گی۔ اور سب چیزوں کی محبت کے ساتھ ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا بھی ہم حق ادا کر سکیں گے۔ یہ قرآن کریم کی اس آیت کا خلاصہ تھا جو میں نے عرض کیا۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔

اللھم صل علی سیدنا ومولینا محمد صلوۃ تنجینا بھا من جمیع الاھوال والآفات۔ وتقضی لنا بھا جمیع الحاجات۔ وتطھرنا بھا من جمیع السیئات۔ وترفعنا بھا اعلی الدرجات۔ وتبلغنا بھا اقصی الغایات۔ من جمیع الخیرات فی الحیوۃ وبعد الممات۔ انک علی کل شئی قدیر برحمتک یا ارحم الرحمین والحمد للہ رب العلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعت شریف

زہے مقدر حضورِ حق سے پیام آیا سلام آیا
جھکاؤ نظریں بچھاؤ پلکیں ادب کا اعلیٰ مقام آیا

یہ کون سر سے کفن لپیٹے چلا ہے الفت کے راستے پر
فرشتے حیرت سے تک رہے ہیں یہ کون ذی احترام آیا

دعا جو نکلی تھی دل سے اک دن پلٹ کے مقبول ہو کے آئی
وہ جذبہ جس میں تڑپ تھی سچی وہ جذبہ آخر کو کام آیا

یہ راہِ حق ہے سنبھل کے چلنا یہاں ہے منزل قدم قدم پر
پہنچنا در پر تو کہنا آقا! سلام لیجے غلام آیا

یہ کہنا آقا بہت سے عاشق تڑپتے سے چھوڑ آیا ہوں میں
بلاوے کے منتظر ہیں لیکن نہ صبح آیا نہ شام آیا

زہے مقدر حضورِ حق سے پیام آیا سلام آیا
جھکاؤ نظریں بچھاؤ پلکیں ادب کا اعلیٰ مقام آیا

عشقِ رسول ﷺ

یہ راستہ سرکار دو عالم ﷺ نے اختیار نہیں فرمایا۔ سرکار کا راستہ کیا تھا؟ ایک صحابی رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آکر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! مجھے آپ سے محبت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ خوب سوچ و سمجھ کر کہو۔ انہوں نے پھر کہا: مجھے آپ سے محبت ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم کو مجھ سے محبت ہے تو فقر و فاقہ کیلئے تیار ہو جاؤ۔ مشکلیں سہنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔

اب آپ اس واقعہ سے اندازہ لگایئے! یہ اسلام کا طریقہ نہیں ہے کہ کسی عمل کے اوپر دنیوی فائدہ کا وعدہ کیا جائے۔ اسلام کے اندر یہ کہیں نہیں کہا گیا ہے کہ اگر تم ایسا کروگے تو تمہیں ملازمت دلوا دیں گے۔ اگر تم ایسا کروگے تو تمہاری شادی کرا دیں گے وغیرہ۔ اسلام نے اس طریقہ کو اختیار نہیں کیا ہے۔ اسلام کا طریقہ تو یہ ہے کہ ؂

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو
گیر و دار و حاجب و دربان دریں درگاہ نیست

ہم نے اسلام کیلئے نہ کوئی ایجنٹ (AGENT) چھوڑا ہے اور نہ کسی سنتری اور پہرہ دار کو بٹھا رکھا ہے۔ جس کا جی چاہے اسلام میں آئے اور جس کا جی چاہے جائے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ

وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۝

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱۷ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۱۱۸ (سورۃ التوبۃ)

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

عرض حال بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! مجھے اس بات کی بڑی خوشی ہے کہ تقریباً چار سال کے عرصہ کے بعد آپ سے ملنے کا اور یہاں تقریر کرنے کا موقع ملا۔ اگرچہ میں جب کراچی سے سفر کیلئے روانہ ہوا تو میرے پروگرام میں ساؤتھ افریقہ (SOUTH AFRICA) کا سفر شامل نہیں تھا۔ بہت دنوں سے ماریشس (MAURITIUS) کے احباب خط لکھ رہے تھے لیکن کچھ ایسی مصروفیتیں تھیں کہ جن کی وجہ سے میرا وہاں جانا نہیں ہو سکا۔ اس مرتبہ زیمبیا (ZAMBIA) کے مسلمانوں نے مجھے بلایا تو میں نے ارادہ کیا کہ زامبیا جاتے ہوئے ماریشس بھی ہوتا آؤں لیکن ساؤتھ افریقہ کے دوستوں کو میرے اس سفر کی خبر ہو گئی چنانچہ وہ سفر کر کے تشریف لے آئے اور یہاں

آنے کیلئے انہوں نے بہت اصرار کیا، مجھے انکار کرتے ہوئے کچھ حیا آئی اس لئے میں نے تھوڑا سا وقت ساؤتھ آفریقہ کیلئے نکالا، اور آپ حضرات کی خدمت میں میری حاضری ہوئی۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو دینی اور روحانی فائدہ عطا فرمائے۔

تبلیغ کا موثر طریقہ خصوصی ملاقات میرے دوستو! اس وقت میں آپ حضرات کے سامنے تقریر اور وعظ کرنے کیلئے کھڑا ہوا ہوں جیسا کہ اس زمانے میں یہ ایک طریقہ پڑ گیا ہے، ایک رواج قائم ہو گیا ہے، اور یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ دین پھیلانے کیلئے اور اسکو لوگوں تک پہنچانے کیلئے جلسوں، کانفرنسوں اور تقریروں سے زیادہ مفید طریقہ پاس بیٹھ کر باتیں کرنے کا ہے۔ خطاب کرنے کا موجودہ طریقہ بعد کے لوگوں نے ایجاد کیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے اور فیض صحبت حاصل کرتے تھے اسی لئے ان کو صحابی کہا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے، جو حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلیفہ تھے کراچی (KARACHI) میں مجھ سے فرمایا کہ ایک موقعہ سے میں علیگڑھ مسلم یونیورسٹی (ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY) گیا۔ کچھ طالب علم میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ طلبا کے سامنے تقریر کریں۔ مولانا نے فرمایا کہ میں نے منظور کر لیا لیکن میں نے ان طالب علموں سے یہ پوچھا کہ تقریر کرانے سے آپ کا کیا مقصد ہے؟ کہنے لگے کہ دین کا فائدہ مقصود ہے، سید صاحب فرمانے لگے کہ اگر آپ کا مقصد دین کا فائدہ ہے تو وہ تقریر سے حاصل نہیں ہوگا۔ میرے پاس آکر بیٹھئے اور استفادہ کیجئے، اس سے فائدہ حاصل ہوگا۔

ایک مثال اور اسکی بڑی اچھی مثال دی۔ فرمایا کہ اگر حکیم اجمل خان صاحب اپنے دواخانہ میں بیٹھیں اور ایک ہزار مریض اور بیمار ان کے دواخانے میں آکر ایک ساتھ بیٹھ جائیں اور حکیم اجمل خان صاحب اپنی کتاب یا اپنی کاپی سے ٹی بی (T.B.) کا نسخہ

عوام الناس کی دینی مجالس سے بے اعتنائی | بہرحال آج یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ اور کچھ مختصر سی باتیں میں آپ حضرات کی خدمت میں بھی پیش کرنا چاہتا ہوں یہ جانتے ہوئے کہ اس زمانے میں لوگ وعظ و تقریر، پند و نصیحت سنجیدگی کے ساتھ نہیں سنتے ہیں یہاں تک کہ ہمارے نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ ارے بھائی! وعظ و تقریر میں کیا ہوگا؟ وہی آخرت کی باتیں ہوں گی، وہی جنت و جہنم کی باتیں ہوں گی، وہی دہرانے والی باتیں ہوں گی۔ قصہ والی بات تو مولوی صاحب کہیں گے نہیں، یہی کہیں گے کہ عالم آخرت میں تمہیں یہ ملے گا وہ ملے گا۔ جبکہ آج ہمیں ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی ایسا نسخہ بتائیں کہ جس سے ہماری تنخواہ میں اضافہ ہو جائے، ہماری آمدنی میں اضافہ ہو جائے، ہمارے پیٹ کا فائدہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ راستہ سرکار دو عالم ﷺ کا راستہ نہیں ہے، اگر ہم بھی یہی راستہ اختیار کرلیں تو یہ ہمارے نبی و پیغمبر کے راستے کے خلاف ہوگا۔

ایک لطیفہ | کسی مولوی صاحب نے اسی راستہ کو اختیار کر کے کسی گاؤں میں جا کر یہ کہہ دیا تھا کہ بھائی دیکھو! اگر تم چالیس دن تک پابندی کے ساتھ باجماعت نماز پڑھو گے تو تمہیں ایک بھینس ملے گی۔ گاؤں والے نے یہ سوچا کہ بھینس تو پانچ سو روپے کی آتی ہے اگر چالیس دن کی نمازوں سے بھینس ملتی ہے تو چلو پڑھ لو۔ چنانچہ اس نے نماز پڑھنی شروع کردی۔ بیس دن گزرے، پچیس دن گزرے، تیس دن گزرے، اب جب اس نے دیکھا کہ وقت قریب آرہا ہے تو بھینس باندھنے کیلئے کھونٹا گاڑ دیا۔ اور جب دیکھا کہ دو تین دن باقی رہ گئے ہیں تو بھینس کے کھانے کا جو کوتا (بھوسا) ہوتا ہے وہ بھی خرید کر لے آیا۔ جب چالیس دن پورے ہو گئے اور بھینس نہیں ملی تو مولوی صاحب سے جا کر کہا کہ مولوی صاحب! آپ نے کہا تھا کہ چالیس دن کے بعد بھینس ملے گی تو اب چالیس دن پورے ہو گئے، بتایئے کہاں ہے بھینس؟ مولوی صاحب نے کہا: ارے ان کے بتہ سے

میں نے تو یہ اس لئے کہا تھا کہ حدیث میں آتا ہے۔ جب کوئی نیکی متواتر چالیس دن تک کی جاتی ہے تو انسان کے دل میں اس نیکی کا چشمہ پیدا ہو جاتا ہے لہذا میرا مقصد یہ تھا کہ اگر تم متواتر چالیس روز تک نماز پڑھو گے تو تمہارا عادی ہو جائے گا۔ میں یہ نہیں سمجھا تھا کہ تجھے جنت کی یاد ستائے گی۔ اس نے کہا مولوی صاحب میرے دل میں پہلے ہی یہ کھٹکا پیدا ہو گیا تھا کہ پتہ نہیں آپ سچ کہہ رہے ہیں یا غلط کہہ رہے ہیں اس لئے میں نے بھی بلا وضو ہی نماز پڑھی ہے۔

اسلامی راستہ یہ راستہ سرکار دو عالم ﷺ نے اختیار نہیں فرمایا۔ سرکار کا راستہ کیا تھا؟ ایک صحابی رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آکر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ مجھے آپ سے محبت ہے۔ حضور نے فرمایا کہ خوب سوچ لو پھر کہو۔ انہوں نے پھر کہا مجھے آپ سے محبت ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم کو مجھ سے محبت ہے تو فقر و فاقہ کیلئے تیار ہو جاؤ۔ تکلیفوں کے سہنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ (ترمذی کتاب الزہد [illegible]) اب آپ اس واقعہ سے اندازہ لگایئے۔ یہ اسلام کا طریقہ نہیں ہے کہ کسی عمل کے اوپر دنیوی فائدہ کا وعدہ کیا جائے۔ اسلام کے اندر کہیں نہیں کہا گیا ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہیں ملازمت دلوا دی جائے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہاری شادی کروا دی جائے گی وغیرہ۔ اسلام نے اس طریقہ کو اختیار نہیں کیا ہے۔ اسلام کا طریقہ تو یہ ہے کہ

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو

گیر و دار و حاجب و دربان دریں درگاہ نیست [illegible]

ہم نے اسلام کیلئے کوئی ایجنسی (AGENCY) نہیں کھولا ہے اور نہ کسی ٹھیکیدار اور چوہدری کو بٹھا رکھا ہے۔ جسکا جی چاہے اسلام میں آئے اور جسکا جی چاہے جائے۔

مزدوری اور بندگی کا فرق تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ راستہ اسلام کا راستہ نہیں ہے لیکن اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام یہ کہتا ہے کہ آپ اپنے پیٹ کیلئے نہ سوچئے

بے شک سوچئے اور سوچنا بھی چاہیے لیکن اس کیلئے سوچنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ ہے مزدوری کا اور دوسرا طریقہ ہے بندگی کا۔ مزدوری کا طریقہ یہ ہے کہ آپ نے بازار سے کوئی چیز خریدی لیکن آپ اسے اٹھا کر نہیں لے جا سکتے۔ آپ نے کسی مزدور کو بلایا اور کہا کہ میاں اس کو میرے گھر پہنچا دو۔ وہ کہتا ہے کہ پہلے یہ بتاؤ کہ کیا دو گے پھر ہاتھ لگاؤں گا؟ آپ نے اسکو کچھ قیمت دی، وہ کہنے لگا کہ میں اتنے نہیں لوں گا میں تو ایک روپیہ لوں گا۔ پھر جھگڑا ہوا آخر میں ایک روپیہ پر طے ہو گیا۔ تو پہلے اس نے آپ سے اپنا معاملہ طے کر لیا پھر آپ کا سامان اٹھا کر آپ کے گھر لے آیا۔ آپ نے جلدی سے جیب سے ایک روپیہ نکال کر دے دیا۔ اب اگر وہ روپیہ دیکھ کر آپ سے یہ کہے کہ بھائی یہ زمانہ مہنگائی کا ہے اور میرے آٹھ بچے ہیں۔ اس باب میں اس ایک روپیہ میں کیا ہو گا۔ تو آپ یہی کہیں گے کہ بھائی میری مزدوری تو طے ہوئی تھی وہ میں نے دے دی۔ اب مجھے اس سے بحث نہیں کہ تیرے یہاں آٹھ آدمی کھانے والے ہیں یا نہیں اگر آٹھ آدمی بھی ہیں تو مجھے اس سے کیا لینا؟ یہ تیرا مسئلہ ہے تو جان تیرا کام جانے۔ یہ معاملہ مزدوری کا ہے۔

دوسرا طریقہ بندگی کا ہے وہ یہ کہ آپ نے سامان خریدا اور کسی مزدور سے کہا کہ بھائی اسے اٹھا کر میرے گھر پہنچا دو۔ وہ فوراً آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سامان اٹھانے لگا۔ آپ نے کہا بھائی تم نے کچھ طے نہیں کیا؟ پہلے مزدوری طے کر لو پھر سامان کو ہاتھ لگاؤ۔ وہ کہنے لگا حضور میرا کام طے کرنا نہیں ہے کہ میں پہلے سے یہ طے کر لوں کہ آپ کیا دیں گے۔ سامان اٹھا کر آپ کے گھر پہنچانا یہ میرا کام ہے اور میری ضرورت کے مطابق دینا آپ کا کام ہے۔ آپ جو مناسب سمجھیں وہ دے دیں۔ چنانچہ اس نے آپ کا سامان اٹھا کر گھر پہنچا دیا۔ اب آپ نے اس سے پوچھا کہ بھائی تمہارے کتنے بچے ہیں؟ کھانے والے کل کتنے افراد ہیں؟ وہ کہتا ہے کہ

دس آدمی میرے گھر میں کھانے والے ہیں، آپ نے دس روپے کا نوٹ نکال کر دے دیے کہ یہ تمہارا نصیب ہے۔ تو دیکھئے کام تو اس نے ایک روپیہ کا کیا ہے لیکن آپ نے اسے دس روپے دیے ہیں یہ راستہ بندگی کا راستہ ہے۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم محنت کی قدر نہ کرو البتہ یہ کہتا ہے کہ تم اللہ کے ساتھ مزدوری کا راستہ اختیار نہ کرو بندگی کا راستہ اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بندہ پروری کا طریقہ اختیار کرے گا۔ فرمایا کہ:

تو بندگی چوں گدایاں بشرط مزد مکن

کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند (دیوانِ حافظ ۱۰۰۰)

مزد کے معنی مزدوری کے آتے ہیں شعر کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے سچے سودے نہ کرو، اللہ کو تمہاری حاجتوں اور ضرورتوں کا علم ہے۔ تم اللہ کے کہنے سے فوراً دین کے کام میں لگ جاؤ وہ تمہاری حاجتوں اور ضرورتوں کے مطابق تمہیں دے گا۔

وعظ کرتے رہنا چاہیے خواہ اثر ہو یا نہ ہو تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آج کل لوگ وعظ کو سنجیدگی کے ساتھ نہیں سنتے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وعظ کہنے والے وعظ کہنا ترک کر دیں بلکہ وعظ کہیں، پند و نصیحت کریں اور کبھی یہ خیال نہ کریں کہ میری پند و نصیحت سے کتنے آدمیوں پر اثر ہوتا ہے۔ ایک آدمی پر بھی اثر ہو وعظ کہنا چاہیے حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو (۹۵۰) سال تک تبلیغ کی ہے اور اس دوران سات نسلیں تبدیل ہو گئیں لیکن قرآن کریم کی شہادت اور گواہی ان کے سلسلے میں یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جتنا جتنا قوم کو توحید کی طرف بلاتے تھے اتنی ہی قوم دور بھاگتی تھی لیکن حضرت نوح علیہ السلام نے پند و نصیحت اور وعظ کو ترک نہیں فرمایا

اور آج کل تو بعض نوجوان یہ بھی کہنے لگے ہیں کہ آج وعظ و تقریر تو بہت ہوتے ہیں لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلتا کیونکہ اس زمانے کے علماء کے اندر ہی کمی

اور حرارت باقی نہیں رہی جس کی وجہ سے ہمارے دلوں پر ان کے وعظ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہاں بھی الزام اپنے آپ کو نہیں علماء کو ہی دیتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ بیچارے علماء جو ہیں وہ در اصل ایسے ہیں جیسے بھٹیارا کا ایک لونڈا تھا۔ ہمارے یہاں بھٹیارے کی دکان ہوتی ہے جہاں مسافر ٹھہرتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں۔

ایک بھٹیاری کی حکایت ایک پولیس والا (POLICE MAN) کسی بھٹیارن کے یہاں ٹھہر گیا اس نے بھٹیاری سے کہا کہ ذرا جلدی سے روٹی پکا دینا مجھے بھوک لگی ہے۔ وہ بیچاری روٹی پکانے لگی۔ اس کا بچہ اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور پولیس والا سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ روٹی پکاتے پکاتے اتفاق سے اس کا وضو ٹوٹ گیا اور وضو ٹوٹنے کی آواز بھی آئی۔ بیچاری وہ بہت شرمندہ ہوئی کہ پولیس والا سامنے بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے اپنی شرمندگی اتارنے کیلئے اپنے بچے کو زور سے چانٹا مارا کہ کمبخت! تجھے شرم نہیں آتی؟ گویا وہ پولیس والے کو یہ بتا رہی تھی کہ یہ حرکت میری نہیں ہے اس بچے کی ہے۔ لیکن پولیس والے بھی بڑے تیز ہوتے ہیں۔ وہ سمجھ گیا اس نے بھی اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور زور سے اپنا وضو توڑا۔ اور اس کے بعد اٹھ کر بچے کو چپت مار دیا۔ بھٹیاری نے کہا، بھائی! کیا بات ہے؟ تو نے میرے بچے کو کیوں مارا؟ اس نے کہا میں نے اس گھر کا یہی طریقہ دیکھا ہے کہ کرے کوئی پٹے کوئی۔ جب تو نے یہ حرکت کی تھی تو اس کو چپت لگائی لہذا جب میں نے یہ حرکت کی تو میں نے بھی اسی کو طمانچہ مارا۔

علماء کو الزام دینے سے اپنا بھی جائزہ لینا چاہئے اسی طرح یہاں بھی لوگ یہی کہتے ہیں کہ علماء میں حرارت نہیں ہے۔ آپ لوگوں کو شاید یاد ہوگا کہ کسی زمانے میں ہندوستان کے اندر ماچس کی لکڑی بکتی تھی تو لوگ اس کو پانی میں بھگو دیتے تھے تاکہ زیادہ بھاری ہو جائے اور فائدہ زیادہ ہو۔ اور جب اس گیلی لکڑی سے ماچس (MATCHES) کی تیلی بنائی جاتی تھی تو اس میں آگ نہیں پکڑتی تھی۔ کیونکہ ماچس چاہے آپ لندن

ایک انسان جن بیماریوں سے مرتا ہے ان کے نام تو آپ کو معلوم ہیں۔ کسی کو کینسر (CANCER)ہو جاتا ہے۔ کسی کو (CHOLERA)ہو جاتا ہے۔ کسی کو ٹی بی (TUBER CLUSIS)ہو جاتی ہے اور کسی کو کوئی اور بیماری ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ مر جاتا ہے۔ لیکن جن بیماریوں سے قومیں اور ملتیں مرتی ہیں ان بیماریوں کے نام کیا ہیں؟ فرمایا کہ۔

زندہ ہے مشرق تیری گفتار سے
امتیں مرتی ہیں کس آزار سے

قومیں کس بیماری سے مرتی ہیں؟ ہمیں اس بیماری کا نام بتاؤ؟ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکا جواب دیا ہے۔ فرمایا کہ۔

ہر ہلاک امت پیشیں کہ بود
زاں کہ بر جندل گماں بردند عود (بال جبریل/۱۰۲)

عود ایک خوشبودار لکڑی ہوتی ہے اور جندل کہتے ہیں ٹھیکرے کو۔ فرمایا کہ جب کوئی قوم اپنی تنزل کے اس منزل پر پہنچ جائے کہ اس کے اندر حق و باطل کی پہچان نہ رہے۔ وہ عود اور جندل کے درمیان فرق نہ کر سکے اور صحیح اور غلط کی قوت تمیز اس کے اندر سے ختم ہو جائے تو فرمایا کہ یہی وہ بیماری ہے کہ جس سے قومیں ہلاک ہو جایا کرتی ہیں دوسری کوئی بیماری نہیں ہے۔

احتساب نفس اور اس کا طریقہ میرے دوستو! آج اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہم اپنا جائزہ لیں اور یہ سوچیں کہ ہماری ملت اور ہماری قوم میں یہ بیماری ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جائزہ لینے کا بڑا اچھا طریقہ بتا دیا ہے۔ فرمایا کہ شریعت اسلامیہ کے اندر جتنے کام کرنے کے ہیں جنہیں ”اوامر“ کہتے ہیں اور جتنے کام نہ کرنے کے ہیں جنہیں ”نواہی“ کہتے ہیں ان دونوں قسم کے کاموں کا ایک

چارٹ (CHART) بنا کر اپنے سامنے رکھ لو۔ پھر اس چارٹ کے ذریعہ دیکھو کہ جتنے کام کرنے کے ہیں ان میں سے کتنے کام ہم نے (بحیثیت قوم) کئے ہیں اور جتنے کام نہ کرنے کے ہیں ان میں سے کتنے کام سے ہم رکے ہیں۔ تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ جتنے کام کرنے کے بتائے گئے تھے ان میں سے ایک کام بھی ایسا نہیں ہے کہ جس پر عمل کیا گیا ہو اور جتنے کاموں سے منع کیا گیا تھا ان میں سے بھی ایک کام بھی ایسا نہیں ہے کہ اس سے ہم رک گئے ہوں۔ تو جب ہماری ملت اور ہماری قوم کا یہ عالم ہے تو یہ قوم صرف بیمار ہی نہیں ہے بلکہ سر سے پاؤں تک بیماری میں ڈوبی ہوئی ہے۔ فرمایا کہ

یک تن و خیلے تمنا و دل بہ کجا کجا رہم

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

فرمایا کہ اگر ایک زخم ہو تو اس پر مرہم کا پھایہ رکھا جا سکتا ہے لیکن اگر سارا جسم زخمی ہو جائے تو کہاں کہاں پر پھایہ رکھا جائے؟

نیم حکیم خطرہ جان میرے دوستو! آج اگر دیکھا جائے تو ہماری قوم خواہ وہ دنیا کے کسی خطہ میں آباد ہو، دنیا کے کسی علاقے سے تعلق رکھتی ہو بیمار ہے اور سر سے پاؤں تک بیماری میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اور معاف کیجئے ہم نے اپنا نبض بھی ایسے حکیموں کو دکھا یا ہے جو اناڑی ہیں۔ بعضے حکیم اناڑی بھی ہوتے ہیں، ایک ایسے ہی حکیم کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وہ قبرستان کے پاس سے گذرے تو اپنے منہ پر رومال رکھ لیا اور رومال سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ نے اپنا چہرہ کیوں چھپا لیا؟ کہنے لگے کہ بھائی! یہ جتنے لوگوں کی قبریں ہیں وہ سب کے سب میرے ہاتھوں سے سلائے ہوئے ہیں اس لئے ان کے سامنے چلنے سے مجھے شرم آتی ہے۔

معاف کیجئے ہم نے بھی ایسے ہی حکیموں اور طبیبوں کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا ہے جو نہ مرض کو پہچانتے ہیں اور نہ انہیں دوا کی خبر ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ چلہ کشی

کر کے اور معرفت الٰہی حاصل کر کے آئے تھے کہ ایک حکیم آ کر ان کے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ حضرت! آپ کی تو ساری طاقت ختم ہو گئی ہے۔ آپ کے اندر تو حرارت بالکل نہیں ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

از سر بالین من بر خیز اے ناداں طبیب
دردمند عشق را دارو بجز دیدار نیست

اے نالائق حکیم! تو میرے پاس سے اٹھ جا، اور میری نبض نہ دیکھ، اس لئے کہ تجھے یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ میری بیماری کیا ہے۔ ارے ظالم! ایسے مریض جو مریض عشق ہوتے ہیں انہیں گاؤ زبان اور گل بنفشہ نہیں دیا جاتا ہے انہیں محبوب کی زیارت کرائی جاتی ہے۔

اسی طرح آج ہماری نبض ایسے حکیموں کے ہاتھوں میں ہے جنہیں یہ نہیں معلوم کہ امت کی بیماری کیا ہے اور اس کیلئے کیا دوا تجویز کرنی چاہئے۔ پچھلے دنوں بڑے بڑے ریفارمر (REFORMER) (مصلح قوم) اور بڑے بڑے مفکرین نے ہماری نبضوں کو دیکھا اور دیکھ کر یہ کہا کہ دیکھو بھائی! ہم بتاتے ہیں کہ تمہاری بیماری کیا ہے اور اسکا علاج کیا ہے۔ اور انہوں نے اسی طرح بتائی جیسا کہ ایک بوجھ بجھکڑ نے بتایا تھا۔

ناقص مدبر کی رائے پر چلنے کا انجام یوپی (U.P.) میں گاؤں کے اچھے اور سمجھدار آدمی کو لوگ بوجھ بجھکڑ کہا کرتے ہیں، بوجھنے کے معنی آتے ہیں سمجھنے کے اور بوجھ بجھکڑ کے معنی ہیں دانشور، بڑا عقلمند جو قوم کی ساری مشکلات کا حل نکالتا ہے۔ تو ایک بوجھ بجھکڑ کے پاس گاؤں والے گئے اور جا کر کہا کہ جی! ایک بڑی مشکل پیش آ گئی ہے، ایک بڑا پرابلم (PROBLEM) ہو گیا ہے۔ وہ یہ کہ ہمارا ایک آدمی تاڑ کے درخت پر چڑھ گیا ہے اور اسے اترنے نہیں آتا ہے۔ اب ہمارے پاس کوئی حیلہ وغیرہ نہیں ہے کہ اس کو اتنے اونچے سے کیسے اتاریں۔ بوجھ بجھکڑ نے کہا، ارے! یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے

بہت آسان ہے۔ ایسا کرو کہ ایک موٹا سا مضبوط رسا لے لو اور اس کا ایک سرا تم پکڑ لو اور دوسرا سرا اوپر تاڑ کے درخت پر پھینکو، جب وہ اسکو پکڑ لے تو اس سے کہنا کہ اسکو وہ اپنے کمر میں باندھ لے۔ جب وہ کمر باندھ لے تو ایک ہی ساتھ سب مل کر اتنا زور سے دھکا دینا کہ وہ نیچے چلے آئے۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا کہ اس کو ایک رسا دیا اور جب اس نے اس رسا کو اپنی کمر میں باندھ لیا تو اس کو جھٹکا دے کر نیچے بلایا۔ وہ راستہ ہی میں مرگیا۔ قوم نے بوجھ بجھکڑ سے جاکر کہا کہ جناب! آپ نے ہمیں ایسی ترکیب بتائی کہ وہ آدمی مرگیا۔ تو وہ کہنے لگا کہ معلوم نہیں تم نے کس طرح کھینچا ہے، ہم نے تو ایسے بہت سے آدمیوں کو جو کنویں میں گر جاتے تھے اسی ترکیب سے نکالا ہے لیکن ایک بھی نہیں مرے۔ ہوسکے تمہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ ظالمو کنویں سے نکالنا اور بات ہے، بلندی سے کھینچنا اور بات ہے، اور بوجھ بجھکڑ بن گیا ہے؟

ملت کے نادان مصلح ان مفکرین اور ملکیوں نے ہماری نبض کو دیکھ کر کیا بیماری بتائی؟ انھوں نے کہا کہ مسلمانوں کی تنزل کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس دولت وثروت نہیں ہے، جب تک یہ قوم اپنی تجوریاں نہیں بھر لے گی اس وقت تک یہ ترقی نہیں کرسکتی، جب تک یہ قوم لکھ پتی اور کروڑ پتی نہ بن جائے اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی، اگر یہ قوم دولت مند ہوجائے تو پھر ترقی کرے گی۔ چنانچہ مسلمانوں نے دولت کے حصول کیلئے آنکھیں بند کرکے دوڑنا شروع کیا، اور جب دولت مند ہوگئے تو اور بھی زیادہ دین سے دور ہوگئے۔ مجھے یہاں کے دولت مندوں کے نام تو معلوم نہیں ہیں البتہ پاکستان کے بعض دولت مندوں کے نام معلوم ہیں، میں کبھی کبھی وہاں تقریر والا بھی کیا کرتا ہوں کہ داؤد، عالم گیر اور اصفہانی وغیرہ یہ لوگ یہاں کے سب سے بڑے دولت مند ہیں۔ ایمانداری سے بتایئے گا کہ کیا یہ لوگ ساری رات تہجد پڑھتے ہیں؟ کیا یہ لوگ دین وشریعت پر سب سے زیادہ عمل کرتے ہیں؟ کیونکہ آپ لوگوں نے یہ

کچھ رکھا ہے کہ ترقی صرف دولت سے ہوتی ہے۔ نہیں: ترقی دولت سے نہیں ہوتی ہے۔ تنزلی کی وجہ مسلمانوں کی غربت نہیں ہے۔ پھر تنزلی کی کیا وجہ ہے؟

مسائل کا حل اقبال کی نظر میں علامہ اقبال نے اسکی اصل وجہ بتائی ہے۔ فرمایا کہ

سبب کچھ اور ہے تو جسکو خود سمجھتا ہے ‖ زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں میرا جوہر آشکار ہوا ‖ قلندری سے ہوا ہے تونگری سے نہیں

مسلمانوں نے قلندری سے ترقی کی ہے۔ تونگری سے ترقی نہیں کی ہے۔ پیسے کی کمی کی وجہ سے مسلمانوں کو زوال نہیں آیا ہے۔

تو میرے دوستو! علامہ اقبال نے اپنے اس کلام میں ہماری بیماری کے ساتھ ساتھ اس کا علاج بھی بتلادیا ہے۔ اس لئے کہ اگر آپ کے بدن پر پھنسیاں نکل آئیں تو جو ماہر حکیم ہوتا ہے وہ ان پھنسیوں کا علاج نہیں کرتا کیوں کہ اگر آج ان پھنسیوں کا علاج کیا تو کل دوسری پھنسیاں نکل آئیں گی اس لئے وہ اس کے سبب کا علاج کرتا ہے اور اسکا سبب ہے فساد خون: جب وہ اسکا علاج کردیتا ہے تو پھنسیاں نکلنا بند ہوجاتی ہیں۔

مسلمانوں کی اصل بیماری اور اسکا علاج اسی طرح ہمارے اندر جو بیماری ہے اس کا اہم سبب یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں سرکار دوعالم ﷺ کی محبت باقی نہیں رہی۔ ہماری ساری بیماریوں کی جڑ یہی ہے۔ جب مسلمانوں کے دلوں میں اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت تھی، وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے دیوانے اور عاشق تھے تو یہ بیماریاں ان کے اندر نہیں تھیں اور جب رفتہ رفتہ ہمارے دل محبت سے خالی ہوتے گئے، ایک دو نہیں سینکڑوں بیماریاں ہمارے اندر آتی گئیں۔ لہٰذا اب ان بیماریوں کو دور کرنے کا علاج یہی ہے کہ ہم اپنے دلوں کے اندر اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت بھر دیں۔ اور وہ محبت بھی کیسی ہونی چاہئے؟ میں نے قرآن کریم کی جو آیتیں پڑھی ہیں وہ یہی بتلانے کیلئے پڑھی ہیں کہ وہ کیسی محبت ہے جو اللہ میاں ہم سے چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ

محبت کی بھی الگ الگ قسمیں ہیں۔

ناقص عشق کی فرضی مثال

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں شاید مشہور ہے اور پتہ نہیں حقیقت کیا ہے؟ اس لئے کہ بہت سی غلط باتیں بھی ان کی طرف منسوب کر کے مشہور کر دی گئی ہیں۔ ان کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ ان کو کسی سے محبت ہو گئی، محبوب نے شیخ سعدی کو آزمانا چاہا، اس نے کہا: چلئے ذرا دریا کے کنارے تک چلیں۔ شیخ سعدی وہاں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے شیخ سعدی سے کہا کہ چلئے ذرا پانی کے اندر چلیں۔ وہ خود تو تیرنا جانتا تھا لیکن شیخ سعدی تیرنا نہیں جانتے تھے۔ وہ شیخ سعدی کو پانی میں لیکر گیا، وہ اس کے ساتھ پانی میں گئے۔ جب ٹخنوں تک پانی تھا تو کوئی حرج نہیں، اور آگے لیکر گیا، جب ٹخنوں تک پانی میں پہنچ گئے، پھر بھی کوئی حرج نہیں، اور آگے لیکر گیا جب شیخ سعدی نے دیکھا کہ زانو تک پانی کے اندر چلے گئے ہیں۔ تو ان کو ڈر لگنے لگا ہے اور ادھر ادھر چلنے لگے تو انہوں نے اپنے محبوب سے کہا السلام علیکم۔ بس میرا عشق زانو تک ہی تھا اس سے آگے نہیں، اب میں جاتا ہوں۔ جب سے یہ مثل مشہور ہو گیا کہ عشق سعدی تا بزانو۔

محبت کی حقیقت

میرے دوستو! وہ کون سی محبت ہے جس کا مطالبہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کیا جاتا ہے؟ ہم نے محبت کا لفظ تو پڑھ لیا ہے لیکن شاید اس کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب اس کے تقاضے ہمارے سامنے آتے ہیں تو ہم بھی وہی الفاظ دہرا دیتے ہیں جو شیخ سعدی نے کہا تھا کہ بھائی، تمہیں سلام، ہماری محبت تو یہیں تک ہے اگر ہمیں محبت کرنا نہیں آتا ہے تو آئیے، محبت کرنے والے عاشقوں اور دیوانوں سے سیکھیں کہ محبت کیسے کی جاتی ہے۔ انہی عاشقوں اور دیوانوں کی محبت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی اس آیت میں بیان فرمایا ہے جس کی تلاوت میں نے خطبہ میں کی ہے۔

قرآن کریم کی یہ آیت ایک بڑی مشہور سورہ، سورہ توبہ کی ہے۔ یہ وہی سورہ ہے جس کے شروع میں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" کی تلاوت نہیں کی جاتی ہے۔ حالانکہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ آیت رحمت ہے۔ اسی لئے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب تم قرآن کریم کی تلاوت شروع کرتے ہو تو جس دروازہ سے اس میں داخل ہوتے ہو وہ دروازہ "باب رحمت" ہے۔ اس لئے کہ تم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے قرآن کریم کی تلاوت شروع کرتے ہو، اور یہ آیت، آیت رحمت ہے۔ اور جس کے اندر داخل ہونے کا دروازہ ہی باب رحمت ہے تو اس کے اندر جاکر دیکھو کہ خدا کے کس قدر انعامات و اکرامات وہاں موجود ہیں۔

ایک لطیفہ آپ نے دیکھا ہوگا، ہندوستان کے اندر ایک زمانہ میں لوگ مکان تو چھوٹا سا بناتے تھے مگر اس کا دروازہ بہت شاندار بناتے تھے۔ جسکا نام رکھتے تھے "حویلی"۔ اندر کا حال تو کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا باقی باہر دروازہ بڑا شاندار ہوتا تھا۔ ایک ایسے ہی حویلی کے سامنے سے ایک سائل اور بھکاری کا گذر ہوا، اس نے جب دروازہ کو دیکھا تو کہنے لگا کہ آج تو مجھے بڑا شاندار دروازہ مل گیا ہے، آج مجھے اتنی بھیک یہیں سے مل جائے گی کہ شام تک مانگنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اس نے اس دروازہ پر جاکر آواز لگائی۔ اندر سے ایک عورت آئی اور ایک چٹکی آٹا دے دی سائل حیران و پریشان ہوگیا۔ وہ بار بار اس شاندار دروازے کو دیکھتا تھا پھر اپنی بھیک کو دیکھتا تھا کہ یا اللہ دروازہ اتنا شاندار ہے اور بھیک اتنی چھوٹی سی ہے۔ اسے غصہ آگیا، وہ گھر گیا اور ایک پھاوڑا لیکر آیا اور دروازے پر چڑھ کر اس کو گرانے لگا۔ مکان مالک بھاگتے ہوئے آیا اور کہنے لگا ارے میاں! یہ کیا بات ہے؟ ہمارے دروازے کو کیوں گرا رہے ہو؟ اس نے کہا: میاں دیکھو، یہ تمہارا دروازہ ہے اور یہ تمہاری بھیک ہے، دروازہ تو اتنا شاندار ہے لیکن بھیک بہت تھوڑی سی ہے، دیکھو، دو باتوں میں سے ایک بات تمہیں ضرور کرنی ہوگی۔

یا تو تم میری بھیک کو اپنے دروازے کے مطابق بنا دو ورنہ میں تمہارے دروازے کو اپنے بھیک کے مطابق بنائے دیتا ہوں۔

سورۂ توبہ کی شروع میں بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ | تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ آیت رحمت ہے اور قرآن کریم کی تلاوت کی ابتداء اس سے ہوتی ہے مگر فرمایا کہ اس سورۃ (سورۂ توبہ) کی ابتداء اس آیت سے نہیں ہونی چاہئے۔ کیوں؟ اس لئے کہ علماء نے لکھا ہے کہ اس سورہ کے اندر اللہ کے قہر کا، غضب کا اور ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے، اور اس سورہ میں ان لوگوں کا بھی ذکر ہے جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی اور بدعہدی کی ہے۔ جن کے بارے میں یہ حکم ہے کہ وہ جہاں ملیں قتل کردو۔ اگرچہ اسلام کی طرف سے جہاد اور قتل کی شرعاً اجازت ہے لیکن اس کی ظاہری شکل یہ ہوتی ہے کہ آپ کے ہاتھ میں تلوار ہے اور اس سے آپ کافروں کی گردن اڑا رہے ہیں۔ یہ عمل بظاہر دیکھنے میں عمل قہر ہے اس لئے فرمایا کہ جہاں خدا کے قہر و غضب کا اظہار ہو رہا ہو وہاں آیت رحمت تلاوت نہیں کی جانی چاہئے۔

جانور کو ذبح کرتے وقت صرف بسم اللہ اللہ اکبر کیوں پڑھا جاتا ہے | اسی لئے علماء نے فرمایا کہ جب تم کسی حلال جانور کو ذبح کرو تو وہاں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مت پڑھو۔ میں نے جانور اس لئے کہہ دیا کہ بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جانور چاہے حلال ہو یا نہ ہو اگر ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھ دیا جائے تو سب حلال ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اگر جانور نجس ہے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کیا سارا قرآن بھی پڑھ کر اگر آپ ذبح کریں گے جانور، تو حلال نہیں ہوگا البتہ کلام خداوندی کی توہین ہوگی۔ تو علماء نے لکھا ہے کہ اگر آپ کو حلال جانور کو ذبح کرنا ہو تو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہ پڑھیں، صرف اتنا کہیں: بسم اللہ اللہ اکبر۔ الرحمن الرحیم کہنا غلط ہے۔

اس لئے کہ آپ کے ہاتھ میں چھری ہے جسے آپ جانور کے گردن پر پھیر رہے ہیں، اس کی جان جا رہی ہے، تو گرچہ اللہ کی طرف سے اس کی اجازت ہے لیکن یہ عمل، عمل قہر ہے۔ اور عمل قہر کے موقع پر آیت رحمت کی تلاوت نہیں کی جاتی ہے اس لئے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہ کہو، لیکن چونکہ اللہ کے نام پر ذبح کرنا ہے اس لئے بسم اللہ اللہ اکبر کہو۔

جانوروں کو بسم اللہ پڑھکر ذبح کرنے کی حکمت بعض لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ مولوی صاحب! جانور کو ذبح کرنے کیلئے اس کے گردن پر چھری پھیری جاتی ہے، پھر اس کے جسم سے خون نکلتا ہے۔ تو ذبح کرنے کے طریقے سے جب بھی اس کو ذبح کیا جائے تو جانور کو حلال ہونا چاہئے اللہ کے نام لینے سے کیا فرق پڑھتا ہے کہ اللہ کا نام لیا جائے تو حلال اور نہ لیا جائے تو حرام قرار دیا جاتا ہے؟ (۱) چاہے اللہ کا نام لیا جائے یا نہ لیا جائے ذبح تو اسی طریقہ پر ہوتا ہے، خون تو اسی طرح سے نکلتا ہے؟

اللہ تعالیٰ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو قبر میں کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے، انہوں نے بڑی حکمت کی بات لکھی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ اگر ایک انسان ترکاری، سبزی اور پھل توڑ کر لاتا ہے تو اس کو کھانے کے واسطے کاٹتے کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بغیر اس کا کھانا جائز ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ انسان جاندار مخلوق ہے اور وہ جاندار مخلوق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکو انسان کیلئے غذا بنایا ہے لہذا اس کو کھانے کیلئے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن مرغی، بکرے اور گائے کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ وہ بھی جاندار مخلوق ہے اور انسان بھی جاندار مخلوق ہے۔ انسان کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اس کو غذا بنائے۔ اس لئے انسان اس وقت تک کسی جاندار مخلوق کو غذا نہیں بنا سکتا جب تک کہ اس کو

---

(۱) رد المحتار، کتاب الذبائح ۶/۳۰۰، الفتاوی الہندیہ ۵/۲۸۵

پیدا کرنے والے خالق سے اجازت نہ لے لے۔ حضرت شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ جو شخص اللہ کا نام لیکر جانور کو ذبح کرتا ہے گویا وہ پیدا کرنے والے سے اجازت لیکر ذبح کر رہا ہے۔ اس سے اس کا کھانا حلال ہوگا اور اگر اللہ کا نام نہیں لیا گیا تو گویا اس نے خالق سے اجازت لئے بغیر اسکو ذبح کیا گیا ہے لہٰذا اسکا کھانا حرام ہوگا۔ بہرحال یہ سورۃ [سورۃ توبہ] قرآن کریم کی وہ سورۃ ہے جس میں آیت رحمت نازل نہیں ہوئی۔ اسی سورۃ میں وہ واقعہ بیان کیا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ قیمت محبت کس کو کہتے ہیں۔

نہ نکلے مہندی تو کیسے چنگری کو رنگ آئے

آجکل محبت کا دم بھرنے والے تو بہت ہیں لیکن اس کا تقاضہ پورا کرنا کوئی نہیں چاہتا مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک صاحب تھے۔ انکو یہ شوق تھا کہ اپنے ہاتھ پر شیر کی تصویر بنوائیں۔ چنانچہ انہوں نے تصویر بنانے والے کو بلایا۔ جب وہ آدمی اوزار لیکر آیا اور اس کے ہاتھ پر شیر کی تصویر بنانے کیلئے سوئی گرم کرکے لگائی تو وہ بڑے زور سے چلایا کہ ہائے کیا ہو؟ اور کہنے لگا یار! یہ کیا بنا رہے ہو؟ مجھے بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ اس نے کہا ارے بھائی۔ تم نے کہا تھا شیر بناؤ میں شیر بنا رہا ہوں۔ وہ کہنے لگا بھائی شیر تو بنا رہے ہو ٹھیک۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ شروع کہاں سے کئے ہو؟ تصویر بنانے والے نے کہا۔ دُم کی طرف سے شروع کیا ہوں۔ کہنے لگا یہ۔ بلا دُم کے بھی تو شیر ہوتا ہے۔ دُم بنانے میں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے اس لئے دُم نہ بنا۔ شیر بنادے۔ اس نے کہا بہت اچھا میرا کام کم ہو گیا۔ اس نے پھر سوئی رکھی تو پھر یہ چلایا اور کہنے لگا کہ اب کیا بنا رہا ہے؟ اس نے کہا۔ سر بنا رہا ہوں۔ وہ کہنے لگا یار۔ سر بنانے میں بھی بڑی تکلیف ہو رہی ہے اس لئے سر نہ بنا۔ شیر بنادے۔ بلا سر کا بھی تو شیر ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ کہتا رہا کہ پیٹ نہ بنا۔ شیر بنادے۔ ناک بھی نہ بنا۔ شیر بنادے۔ کان نہ بنا۔ شیر بنادے۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصویر بنانے والے نے اپنے اوزار پھینک دیئے اور کہنے لگا

شیر بے ڈم و سر و اشکم کہ دید

ایں چنیں شیرے خدا ہم نافرید

ارے ظالم! ایسا شیر میں تیرے ہاتھ پر کیسے بنادوں کہ دُم نہ ہو اور شیر ہو، کمر نہ ہو اور شیر ہو، ٹانگیں نہ ہوں اور شیر ہو؟ ایسا شیر تو خدا نے بھی پیدا نہیں کیا ہے تو میں تیرے ہاتھ پر کہاں سے بنادوں؟ آج مسلمان بھی یہی چاہتا ہے کہ ہم اللہ اور اللہ کے رسول کے عاشق کہلائیں، محبت کرنے والے کہلائیں لیکن ہمارے اوپر سوئی نہ رکھی جائے۔

جنگ تبوک ایک نمونہ اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سی محبت ہے جسکا مطالبہ اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے ہے؟ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک جہاد میں تشریف لے جارہے ہیں اور یہ آپ ﷺ کا آخری جہاد ہے۔ کیونکہ ۸ھ میں آپ نے مکہ فتح کیا ہے اور ۹ھ کے اندر یہ جہاد پیش آیا ہے۔ جسکا نام غزوہ تبوک ہے تبوک مدینہ اور شام کے درمیان ایک بستی ہے جو مدینہ سے دور ہے اور شام سے قریب ہے۔ اس زمانے میں مدینہ اور شام کے درمیان زیتون کی تجارت ہوا کرتی تھی، تو شام سے ایک تاجر مدینہ آیا اور حضور ﷺ کے پاس جاکر یہ کہنے لگا کہ یا رسول اللہ ﷺ! روم سے ایک بہت بڑا لشکر آیا ہے جو شام میں ٹھہرا ہوا ہے اس کی تعداد تقریباً چالیس ہزار ہے۔ قیصر روم کو کسی نے یہ خبر دے دی ہے کہ (نعوذ باللہ) پیغمبر اسلام کا انتقال ہوچکا ہے اور مدینہ کے مسلمان غربت اور قحط کی وجہ سے پریشان حال ہیں، بس ایک حملہ کافی ہے۔ ہمیشہ کیلئے ان کا مسئلہ ختم ہوجائے گا۔ اس لئے وہ لوگ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں اسی بات کی خبر دینے کیلئے آپ کے پاس آیا ہوں۔

حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور فرمایا کہ جہاد کیلئے تیاری شروع کردو۔ اور سن لو، میری یہ عادت نہیں ہے کہ میں اس جگہ کا نام بتادوں جہاں ہمیں

میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجھے دوبارہ دنیا کی زندگی عطا کی جائے تاکہ میں اسی طرح دوبارہ لذت شہادت حاصل کر سکوں۔

آپ نے اندازہ لگایا کہ ایک صحابی کو شہادت کے اندر کتنی لذت ملی تھی۔

اور کیوں نہ ملے جبکہ خود سرکار دو عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

والذی نفسی بیدہ لوددت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل (۱)

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میری تمنا اور میری خواہش یہ ہے کہ میں اللہ کے راستے میں قتل کیا جاؤں، پھر لذت شہادت کی خاطر مجھے دوبارہ زندہ کیا جائے پھر شہید کیا جائے، پھر زندہ کیا جائے پھر شہید کیا جائے، پھر زندہ کیا جائے پھر شہید کر دیا جائے۔

صدیق اکبر کا مقام

آج میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مسلمان غزوہ تبوک کیلئے تیاری کرنے لگے۔ یہی وہ موقع ہے کہ جب آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ تم جہاد کیلئے کیا لیکر آئے ہو اور اپنے گھر میں کیا چھوڑ کر آئے ہو تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ گھر میں جو کچھ تھا وہ سب لے آیا ہوں اور گھر میں اللہ اور اس کے رسول کے نام کو چھوڑ آیا ہوں۔ اسی موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ہمیشہ سے یہ چاہتا تھا کہ ابوبکر صدیقؓ سے آگے بڑھ جاؤں اور اس کیلئے یہ بہترین موقع تھا لیکن اب میں سمجھ گیا کہ میں ابوبکر صدیقؓ سے کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ (۲)

دیکھا آپ نے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر اس بات کی بھی حرص تھی کہ ہم ایک دوسرے سے آگے بڑھ جائیں اور آج ہمارے اندر بھی یہ حرص ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ صحابہ کرام میں اس بات کی حرص تھی کہ ہم میں سے کون زیادہ تلاوت قرآن کرتا ہے، ہم میں سے کون زیادہ روزے رکھتا ہے، ہم میں سے کون زیادہ نوافل پڑھتا

---

(۱) [illegible] (۲) [illegible]

کرام کو غزوہ تبوک کیلئے تیاری کا حکم دے دیا۔ ادھر مدینہ کے اندر بہت سے منافقین موجود تھے۔ مدینہ منافقوں کا مرکز تھا۔ اس لئے کہ یہاں پر یہودیوں کی بڑی تعداد آباد تھی۔ ان لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کی طاقت روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے تو اپنے کفر کو چھپاتے ہوئے اسلام قبول کر لیا اور مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنی شروع کر دی۔ لیکن آج جب جہاد کا حکم ہوا تو ان لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ ہم نماز پڑھنے تو چلے جاتے ہیں اس لئے کہ وہ آسان ہے لیکن جہاد میں اپنی گردن کٹوانے کو جائے گا؟ اس لئے یہ لوگ مسلمانوں کے پاس گئے اور کہا کہ دیکھو۔ تم نے دنیا کی ساری قوموں سے مقابلہ کیا ہے لیکن اب تک رومیوں سے مقابلہ نہیں کیا ہے۔ وہ بڑی طاقتور اور لڑنے میں ماہر قوم ہے لہذا اب اگر تم رومیوں کے مقابلہ پر گئے تو بچ کر واپس نہیں آسکو گے۔ صحابہ نے کہا۔ آپ لوگ ہمیں کیوں ڈرا رہے ہیں؟ کس چیز کی دھمکی دے رہے ہیں؟ ارے وہ کون نالائق ہے جو بچنے کی نیت سے جہاد کیلئے جاتا ہے؟ ہم تو شہادت کی نیت سے جہاد میں جا رہے ہیں۔ یہ بات جو آج تم ہمیں کہہ رہے ہو اسے ہم پہلے سے ہی سمجھ رہے ہیں۔ حضرت تھانوی کے خلیفہ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب کا ایک شعر یاد آگیا۔ فرمایا کہ

یہ سب سوچ کر دل لگایا تھا ناصح

نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں

منافقین نے کہا اچھا دیکھو۔ دوسری بات سنو۔ پچھلے سال تمہاری فصلیں تباہ ہو چکی ہیں اب تمہاری فصلیں تیار کھڑی ہیں۔ اگر ایسی حالت میں تم جہاد کیلئے چلے گئے تو پھر اس سال تمہیں قحط کا سامنا کرنا پڑے گا۔۔۔۔ میں نے کہا نا کہ شیطان بڑا اسکیمر (SCHEMER) ہے۔ بڑی بڑی اسکیمیں اور بڑے بڑے منصوبے سامنے لاتا ہے۔ بس ہمت ہو تو اسکا مقابلہ کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ بے شک ہماری فصلیں تیار کھڑی ہیں لیکن ہمارا یہ ایمان ہے کہ اگر ہم اللہ کیلئے نکلیں گے تو اللہ ہماری فصلوں کی

حفاظت فرمائے گا۔ نہ ہمیں اپنی جانوں کی پرواہ ہے۔ نہ اپنی فصلوں کی پرواہ ہے ہمیں تو جہاد میں جانا ہے۔

چنانچہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام جہاد کیلئے روانہ ہوگئے۔ اور منافقین اپنے گھروں میں بیٹھ گئے اور بعض صحابہ بھی جہاد میں جانے سے رہ گئے۔ ادھر جب رومی لشکر کو معلوم ہوا کہ ہمیں غلط خبر ملی تھی رسول اللہ ﷺ بھی باحیات ہیں اور اسلامی لشکر لڑنے کیلئے تیار بھی ہے تو وہ لوگ شرم سے ہی واپس چلے گئے۔ حضور اکرم ﷺ جب وہاں تشریف لے گئے اور پتہ چلا کہ رومی لشکر بھاگ گیا ہے تو بغیر جہاد کے واپس لوٹ آئے۔

جب آپ مدینہ تشریف لے آئے تو منافقین میں سے کسی نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی۔ کسی نے اپنے آپ کو لنگڑا بنا لیا اور کوئی چادر وغیرہ اوڑھ لیا اور حضور کے پاس آکر جھوٹا عذر بیان کرنے لگے۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے آنکھ میں چوٹ لگ گئی تھی اس لئے میں نہیں آسکا۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں گر گیا تھا میرے پاؤں میں چوٹ لگ گئی تھی اس لئے میں نہیں آسکا۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ مجھے بخار ہو گیا تھا اس لئے میں نہیں آسکا۔ حضور اکرم ﷺ یہ تمام مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور ان کے جھوٹے اعذار کو قبول فرماتے جا رہے ہیں۔

تین صحابی کی جنگ میں عدم شرکت ان کی ندامت اور توبہ | بعض جلیل القدر صحابہ بھی شریک جہاد نہیں ہوئے تھے، وہ تین صحابی تھے۔ حضرت کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم۔ انہیں تینوں کے توبہ کی قبولیت کی خوشخبری اس سورہ میں سنائی گئی ہے۔ جسکی وجہ سے اس سورہ کا نام "سورہ توبہ" رکھا گیا ہے۔ قبولیت توبہ سے قبل ان تینوں کی حالت عجیب تھی۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ

(۱۰۶) صحیح مسلم [illegible]

حضور اکرم ﷺ کے پاس تشریف لاتے اور روزانہ کی طرح سلام کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا مگر ان کے جواب سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو محسوس ہو گیا کہ رسول اللہ ناراض ہیں، کیونکہ محبت ایک ایسی چیز ہے کہ اگر اس میں ذرہ برابر بھی فرق آجاتا ہے تو عاشق کو محسوس ہو جاتا ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ عاشق صادق تھے اس لئے بے چین ہو گئے۔ کہنے والے نے سچ کہا۔ فرمایا کہ

ہم نے الفت کی نگاہیں دیکھیں

جو تیری کیا چشم غضبناک کو ہم

ہم نے تو ہمیشہ حضور اکرم ﷺ کو پیار کرتے ہی دیکھا ہے ناراضگی تو ہم نے کبھی نہیں دیکھی۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بے چین ہو کر سوچنے لگے کہ اگر میں بھی ان منافقین کی طرح جھوٹی باتیں کر کے عذر پیش کر دوں تو کیسا رہے گا۔ لیکن فوراً ہی خیال آیا کہ رسول اللہ کے ساتھ غلط بیانی کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر میں کوئی غلط بات کہہ کر بچنے کی کوشش کروں گا تو فوراً اللہ کی وحی ان کو صحیح بات بتا دے گی۔ جھوٹ تو وہاں بولے جہاں چل جائے یہاں تو نہیں چل سکتا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ۔ میرے جہاد میں شریک نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ بس اتنی سی بات تھی کہ میرے پاس اپنی سواری تھی اور میرا یہ خیال تھا کہ لشکر آہستہ آہستہ جا رہا ہے اور میری سواری تیز رفتار ہے لہٰذا میں کل نکلوں گا اور لشکر سے مل جاؤں گا۔ پھر کل ہو کر یہی خیال آتا تھا اسی طرح کل میں یا رسول اللہ ﷺ۔ میں رہ گیا یہاں تک کہ آپ واپس تشریف لے آئے۔ بس یہی بات ہے میرے پاس کوئی اور عذر نہیں ہے۔

تینوں حضرات صحابہ سے بائیکاٹ کا حکم

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

مسلمانو: غور سے سن لو، اللہ کا حکم یہ ہے کہ کعب ابن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ کا جو جہاد میں شریک نہیں ہوئے ہیں مکمل بائیکاٹ کیا جائے۔ لہذا جب تک اللہ کی طرف سے ان لوگوں کی معافی کا اعلان نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی مسلمان ان کے ساتھ سلام کلام، بات چیت نہ کرے۔ بس اس کے بعد جو حالات پیش آئے اسی کا منظر میں آپ لوگوں کو دکھانا چاہتا ہوں۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی نگاہیں کیا پھریں معلوم ہوا کہ زمین بھی پھر گئی آسمان بھی پھر گیا۔ وہی مسلمان جو ہمارے عزیز اور ہمارے دوست تھے آج سلام کا جواب بھی نہیں دیتے تھے۔ کوئی ہم تینوں سے بات نہیں کرتا تھا۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روتے روتے ہمارا برا حال ہو گیا۔ کیوں؟ فرمایا کہ

من سایہ ترش بسے نہم
عشق است و ہزار بد گمانی

عاشق کہتا ہے کہ مجھے تو یہ اطمینان ہے کہ میرے محبوب کے ساتھ کوئی آدمی نہیں چل رہا ہے لیکن جب وہ دھوپ یا روشنی میں چلتا ہے تو اس کے ساتھ اسکا سایہ بھی چلتا ہے، مجھے اس سایہ پر بھی رشک آتا ہے کہ یہ میرے محبوب کے ساتھ کیوں چل رہا ہے؟

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خیال رہ رہ کر ستاتا تھا کہ مجھ سے رسول اکرم ﷺ ناراض ہیں اگر اسی حالت میں مجھے موت آگئی تو حضور میری جنازہ کی نماز نہیں پڑھائیں گے اور وہ کتنا بدبخت آدمی ہوگا کہ جسکا انتقال رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہو اور رسول اللہ اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھائیں۔ اور کبھی یہ خیال آتا تھا کہ اگر اسی حالت میں حضور اکرم ﷺ دنیا سے تشریف لے جائیں تو پھر ہم کس

کے پاس جائیں گے؟ اور کس سے گڑگڑا کر معافی مانگیں گے؟ پوری زندگی ہمیں اسی حالت میں گذارنی پڑے گی۔

اپنے ہوئے بیگانے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روتے روتے ہمارا برا حال ہو گیا تھا۔ میرا ایک بھتیجا تھا جسکا نام قتادہ تھا۔ اس پر میں نے بڑے احسانات کئے تھے۔ میں نے سوچا کہ اگرچہ کوئی مسلمان ساتھ نہیں دیتا لیکن چونکہ قتادہؓ پر میرے بڑے احسانات ہیں اس لئے وہ ضرور ساتھ دے گا۔ چنانچہ میں اس کے پاس پہنچا اور سلام کیا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا: اے قتادہ رضی اللہ عنہ سچ سچ بتانا: کیا تیرے اوپر میرے احسانات نہیں ہیں؟ اس نے کہا: آپ کے احسانات میرے اوپر ضرور ہیں لیکن محسن اعظم سرکار دوعالم ﷺ جب تک آپ سے ناراض رہیں گے میں آپ کی طرف چہرہ بھی نہیں پھیروں گا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ روتے ہوئے واپس آگئے۔ گھر پر دیکھا کہ بیوی اپنا سامان باندھ رہی ہے۔ انھوں نے کہا: بیگم! تم کہاں جا رہی ہو؟ مجھے پتہ چلا کہ سرکار دوعالم ﷺ آپ سے ناراض ہیں۔ اور جب تک رسول اللہ ﷺ آپ سے ناراض رہیں گے میں آپ کے گھر میں رہنا پسند نہیں کرتی۔

میرے دوستو! دیکھا آپ نے؟ محبت رسول کے سامنے شوہر و بیوی کی محبت، عزیز و اقارب کی محبت، دوست و احباب کی محبت سب ہیچ ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی مرضی کا سوال آجائے کہ رسول اللہ ﷺ کس بات سے راضی ہیں اور کس بات سے ناراض ہیں تو پھر درمیان میں دنیا کی کسی چیز کی محبت کے آڑے آنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ اسی کا نام محبت رسول ہے:

ڈاڑھی پر استرہ چلانا حضور ﷺ کے دل پر استرہ چلانا ہے دہلی میں ایک واقعہ پیش آیا۔ ایک شاعر تھا، اور بعض کا دل رقیق ہوتا ہے وہ شاعر بھی ایسا ہی تھا۔ اس

مطلب یہ ہے کہ سارا جذبہ اور سارا شوق سرکار دو عالم ﷺ کی محبت پر قربان کر دیا جائے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی دیکھو! جتنے جذبے تھے سب کے سب اپنی جگہ ہیں مگر جب سے رسول اللہ ﷺ کا حکم ہمارے سامنے آ گیا ہے پھر اس حکم کے سامنے ہمارا کوئی شوق، شوق نہیں ہے کوئی جذبہ جذبہ نہیں ہے۔

اللہ کا پیغام تینوں صحابہ کے نام

پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان تینوں صحابیوں کی توبہ قبول فرمائی تو اس سلسلہ میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔ فرمایا کہ

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ سورۃ التوبۃ

سرکار دو عالم ﷺ نے ایک صحابی کو بھیج کر بتا دیا کہ کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم ان تینوں کو خبر دے دو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی ہے۔

سبحان اللہ! وہی مسلمان جو ان کے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے، بات چیت نہیں کرتے تھے، آج اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ان کو اپنے سروں پر بٹھا رہے ہیں۔

اپنے سینوں سے لگا رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے دلوں میں تم سے کوئی بغض نہیں تھا، کوئی نفرت نہیں تھی لیکن رسول اللہ ﷺ کے حکم کے آگے ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اور جب آج اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ مرتبہ دیا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرتے ہوئے قرآن کریم میں آیتیں نازل فرما دی ہیں تو اب تم ہماری آنکھوں کے تارے ہو، تم ہماری عزت ہو، اب ہم تمہیں اپنے سروں پر بٹھانے کیلئے تیار ہیں۔

حاصل کلام محبت وہ نہیں ہے جو ہم اور آپ کرتے ہیں۔ محبت وہ ہے جو کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کر کے دکھائی۔ جو ان کی بیوی نے کر کے دکھائی۔ جو ان کے بھتیجے نے کر کے دکھائی کہ جب خدا اور خدا کے رسول کا معاملہ آجائے تو پھر کسی کی محبت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ میرے دوستو! یہ قرآن کریم کی ان آیات کی تفسیر تھی۔ جو میں نے خطبہ میں تلاوت کی تھی۔

حاصل یہ ہے کہ جب ہمارے اور آپ کے دلوں میں اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت پیدا ہوگی تو اس کی وجہ سے ان شاء اللہ ہمارے دلوں میں نور پیدا ہوگا اور ہماری ساری پریشانیاں آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں گی۔

اب میں آپ سے معذرت چاہوں گا۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے دلوں میں سرکار دو عالم ﷺ کی محبت پیدا فرمائے۔ اللہ ہمیں حضور کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔ اللھم

صل علی سیدنا ومولانا محمد صلوۃ تنجینا

بہا من جمیع الاھوال والآفات وتقضی لنا بہا جمیع

الحاجات وتطہرنا بہا من جمیع السیئات وترفعنا

بها اعلى الدرجات. وتبلغنا بها اقصى الغايات.

من جميع الخيرات فى الحيوة وبعد الممات.

انك على كل شئى قدير برحمتك

يا ارحم الراحمين والحمد لله رب العلمين

شانِ بعثت

نمبر مضمون شان [illegible]

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی پیدائش کیلئے سب سے اعلیٰ خاندان، عمدہ ترین شہر اور موزوں و مناسب زمانہ کا انتخاب فرمایا۔ آپ کی پیدائش کیلئے روئے زمین کے اس مقام کا انتخاب فرمایا جو دنیا کی ساری آبادی کا مرکزی اور محوری حصہ ہے یعنی مرکز عالم ہے۔ اور وہ مکہ ہے۔ اگر آپ دنیا کا نقشہ دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ روئے زمین کے جس حصہ پر بیت اللہ ہے وہ حصہ پوری دنیا کا مرکزی اور بیچ کا حصہ ہے۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو حضور اکرم ﷺ کے ذریعہ ساری دنیا کے انسانوں تک پیغام پہنچانا تھا اس لئے آپ کی پیدائش کیلئے مرکزی مقام ہی مناسب تھا۔

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے وجود مسعود کیلئے اس خاندان کا انتخاب فرمایا کہ روئے زمین پر آدم علیہ السلام کی اولاد میں سب سے افضل، اعلیٰ و ارفع خاندان تھا، اور وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا خاندان ہے جو آگے چل کر قریش کہلایا۔

([illegible] خطبات حضرت خطیب [illegible])

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ
وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ
اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ
لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ
سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ
تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ
وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾ سُورَةُ الْبَقَرَةِ

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيمُ وَصَدَقَ رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ

وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِينَ وَالشّٰكِرِينَ

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ۔

گذشتہ سے پیوستہ بزرگان محترم اور برادران عزیز! میں نے گذشتہ جمعہ جو ربیع الاول کا پہلا جمعہ تھا قرآن کریم کی ان آیتوں کی تلاوت کی تھی جن میں حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری، آپ کی بعثت اور آپ کی ولادت کیلئے دعا مانگی گئی تھی۔ ولادت کے معنی ہیں پیدائش کے اور بعثت کے معنی ہیں نبی اور رسول بنا کر بھیجنا۔

قرآن کریم میں جگہ جگہ سرکار دوعالم ﷺ کی تشریف آوری کا ذکر لفظ بعثت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں گذشتہ جمعہ میں نے عرض کیا تھا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام باپ بیٹے جو دونوں کے دونوں حضور ﷺ کے آباء واجداد میں سے ہیں، جب خانہ کعبہ کی دیواریں بنا رہے تھے اس مبارک وقت میں ان دونوں نے چند دعائیں مانگیں، اللہ تعالیٰ نے ان تمام دعاؤں کو قبول فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا کیا مانگا ایک دعا تو یہ تھی کہ اے اللہ ہم بھی

خدمت کر رہے ہیں، پتھر ڈھو ڈھو کر لا رہے ہیں اور چنائی (جوڑائی) کر رہے ہیں، اس خدمت کو قبول فرمالے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور ساری دنیا کے مسلمانوں کیلئے اسکو مرکز اور اجتماع کی جگہ بنایا۔ پھر یہ دعا مانگی۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ

اے اللہ! ہم دونوں کو اپنا وفادار رکھئے، باغی اور گنہگار نہ ہونے دیجئے، اور ہماری نسل اور ہماری اولاد کو بھی اپنا تابعدار، مطیع اور فرمانبردار بنایئے۔

اسی کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد کیلئے یہ دعا بھی فرمائی وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ ہماری اولاد کو خوشحالی بھی عطا فرما، اور آخر میں حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری اور بعثت کے متعلق دعا مانگی۔

دررسولؐ میں جرات مندانہ سوال قبیلہ بنو عامر کا ایک بوڑھا آدمی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا۔ یہ وہی قبیلہ ہے جس قبیلہ کا مجنون تھا جسکے قصہ کو ہم لیلیٰ مجنون کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اسکا اصل نام قیس تھا، قبیلہ بنو عامر کے ہونے کی وجہ سے قیس عامری کہلاتا تھا، تو قبیلہ بنو عامر کا ایک بوڑھا آدمی حضور ﷺ کی مجلس میں آیا اور کہنے لگا کہ اگرچہ میں مسلمان نہیں ہوں لیکن آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ سے کچھ سوالات کروں۔ حضور اکرم ﷺ نے نہایت خندہ پیشانی سے اجازت دے دی کہ سوال کرو۔ اس نے کہا، میرا پہلا سوال یہ ہے کہ آپ نے پیغمبری کا اعلان کیا ہے، اور ہر نبی اور پیغمبر کے نبوت کی ایک بنیاد ہوتی ہے۔ آپ کی نبوت کی بنیاد کیا ہے؟

دعاءِ خلیل اور نوید مسیحا حضور اکرم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا

انا دعوة ابراهيم وبشارة عيسى عليهما الصلوة والسلام (۱)

---

(۱) تفسیر ابن کثیر سورہ بقرہ آیت ۱۲۹، و تفسیر قرطبی سورہ صف آیت ۶

فرمایا کہ میری نبوت کی ایک بنیاد نہیں بلکہ دو بنیادیں ہیں۔ ایک بنیاد تو یہ ہے کہ آج سے ڈھائی ہزار سال پہلے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا مانگی تھی میں اسی دعا کا نتیجہ ہوں، وہ دعا میرے لئے ہی مانگی گئی تھی۔

معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا میں جس نبی اور پیغمبر کی بعثت کا ذکر ہے وہ نبی اور پیغمبر سرکارِ دوعالم ﷺ ہی ہیں آپ کے سوا کوئی اور نبی نہیں تھا۔

حضرات انبیاء کرام کا سلسلۂ نسب

کیونکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں اور پیغمبروں کی فہرست میں ایک نبی بھی ایسے نہیں ہیں کہ جن کے ۲ باپ دادا میں حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام دونوں ہوں۔ (۱) ہاں، غالباً چودہ ہزار یا اس سے کچھ زیادہ نبی اور پیغمبر ایسے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں مگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک بھی نہیں ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیویوں سے دو بیٹے تھے۔ ایک بیوی حضرت سارہ علیہا السلام تھیں۔ حضرت سارہ کا مقام بہت بلند ہے۔

کیا عورت کو نبوت دی گئی؟

اولادِ آدم میں تین عورتیں بہت زیادہ مقدس ہیں، اور واقعی مقدس ہیں کہ بعض لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں عورتوں کو نبی اور پیغمبر بنایا ہے۔ اگرچہ ہمارا اور آپ کا، اہلِ سنت والجماعت کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ ہم انہیں نبی نہیں مانتے۔ ان تینوں عورتوں میں سب سے پہلا نام حضرت مریم علیہا السلام کا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں۔ دوسرا نام حضرت سارہ علیہا السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ہیں۔ اور تیسرا نام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا ہے جن کا نام "یوکابذ" ہے۔ تو بعض لوگوں نے کہا کہ یہ اتنی

(۱) مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۳

اتنی مقدس ہستیاں ہیں کہ انہیں نبوت دی گئی۔ ان لوگوں کی نظر میں نبی اسکو کہتے ہیں کہ جس سے اللہ نے کلام کیا ہو۔ اور اللہ نے حضرت مریم سے بھی کلام کیا ہے۔ اللہ نے حضرت سارہ سے بھی کلام کیا ہے اور اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے بھی کلام کیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي
وَلَا تَحْزَنِي إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ

اور جب بچہ کی طرف سے خطرہ ہو تو پرواہ نہ کرنا۔ اس کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دینا، ہم لوٹا دیں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام سے بھی بات کی اور حضرت سارہ سے بھی بات کی۔

اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ لیکن اہلِ سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کو نبوت عطا نہیں فرمائی۔ نبوت کے لئے مرد ہونا شرط ہے۔ البتہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ تینوں عورتیں اگرچہ نبیہ نہیں تھیں لیکن نبوت کے بعد کا جو درجہ اور جو مقام ہے وہ انہیں بیشک حاصل تھا۔ نبوت کے بعد کا درجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ۔

فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم
مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ

کل چار درجے ہیں۔ پہلا درجہ نبوت کا، دوسرا درجہ صدیقیت کا، تیسرا درجہ شہداء کا اور چوتھا درجہ صالحین کا، جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت سارہ صدیقیت کے مقام پر فائز ہیں، اگرچہ وہ نبی اور پیغمبر نہیں ہیں۔

اولاد کی تمنا اور اسکا محرک بہرحال: حضرت سارہ تین مقدس خواتین میں سے ایک ہیں، انہیں اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اولاد کی تمنا اور خواہش

تعالیٰ نے ایک فرزند عطا فرمایا جنکا نام شماع ایل رکھا گیا بعد میں چل کر عربوں نے اس کا تلفظ تبدیل کر کے اسکو اسماعیل بنالیا۔

حضرت ابراہیم ؑ کی اولاد حضرت ابراہیم ؑ نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو اللہ کے حکم سے خانۂ کعبہ کے قریب لے جاکر آباد کر دیا۔ ادھر خدا کی شان دیکھئے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہؓ سے بھی ایک لڑکا عطا فرمایا جنکا نام "اسحق" رکھا گیا۔ (۱)

حضرت اسحقؑ اور حضرت اسماعیلؑ دونوں حضرت ابراہیم ؑ کے بیٹے ہیں۔ دونوں کی مائیں الگ الگ ہیں، حضرت اسحق ؑ کے بیٹے حضرت یعقوب ؑ ہیں، انہیں کا نام اسرائیل ہے۔ حضرت یعقوب ؑ کو اللہ نے بارہ بیٹے دیئے تھے، ان بارہ بیٹوں کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔

بنی اسرائیل میں ہزاروں نبی تشریف لائے بنی اسرائیل کے اندر تقریباً چودہ ہزار انبیاء تشریف لائے۔ حضرت سلیمان ؑ جن کے پاس پوری روئے زمین کی سلطنت تھی، جنکی حکومت ہوا اور پرندوں پر بھی تھی بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ حضرت داود ؑ بنی اسرائیل میں سے ہیں، حضرت موسیٰ ؑ بنی اسرائیل میں سے ہیں یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ ؑ بھی بنی اسرائیل میں سے ہی ہیں۔

نصاریٰ کی جہالت اگرچہ نصاریٰ اس بات کو نہیں مانتے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ نسب باپ کی طرف سے چلتا ہے اور حضرت عیسیٰ ؑ کو تو کوئی باپ نہیں ہے لہذا ہم نہیں مانتے کہ یہ اسرائیلی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ نسب کا باپ کی طرف سے چلنا تو اس وقت ٹھیک ہے جبکہ کوئی باپ ہو مگر حضرت عیسیٰ ؑ کے باپ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی پیدائش تنہا ماں کے ذریعہ سے کی ہے اور ماں بنی اسرائیل میں سے

(۱) قصص القرآن جلد اول / ۲۴۰

ہیں لہذا یہ بھی اسرائیلی ہوئے۔

حضور ﷺ ہی دعا کے مصداق ہیں غرضیکہ جتنے انبیاء اور پیغمبر تشریف لائے ہیں ان میں بڑی تعداد ان پیغمبروں کی ہے جو بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس بیٹے کی اولاد میں سے ہیں جنکا نام اسحٰق ہے۔ حضرت اسماعیلؑ جنکو حضرت ابراہیمؑ نے خانۂ کعبہ کے قریب آباد کیا تھا ان کی اولاد میں سے ایک بھی نبی نہیں ہیں۔ ان کی اولاد میں اول و آخر صرف ایک نبی ہیں جنکا نام ہے محمد ﷺ ۔(۱)

جسکا مطلب یہ ہے کہ صرف ایک نبی اور پیغمبر ایسے ہیں جو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے بھی ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے بھی ہیں۔ اور دعا دونوں نے ملکر مانگی ہے۔ فرمایا کہ۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ

اے اللہ ہماری اولاد میں ایک ایسے نبی اور پیغمبر کو مبعوث فرما جو ہم دونوں میں سے ہوں۔ چنانچہ بنو اسماعیل میں صرف ایک نبی آئے ہیں اور وہ محمد عربی ﷺ ہیں جنھوں نے ہمیشہ کیلئے سلسلۂ نبوت کو ختم کردیا۔ وہی آخری نبی ہیں۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا۔ انا دعوۃ ابراھیم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ڈھائی ہزار سال پہلے جو دعا مانگی تھی اسی دعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مبعوث فرمایا ہے۔

وبشارۃ عیسیٰ اور مجھ سے پانچ سو ساڑھے پانچ سو سال پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جاتے ہوئے ایک بشارت دی تھی، وہ بشارت میرے متعلق ہی تھی۔ فرمایا کہ

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میرے بعد نبی آخر الزماں آئیں گے

---

(۱) مسلم شریف، حدیث ۲۲۹۹، سنن ترمذی، حدیث ۳۶۰۵، مسند احمد حدیث ۴/۱۰۷

جنکا نام ”احمد ﷺ“ ہوگا۔۔۔ آپ ﷺ نے بنو عامر کے اس شخص سے فرمایا کہ میری نبوت کی بنیاد یہی ہے کہ میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور حضرت عیسیٰؑ کی بشارت کے نتیجہ میں مبعوث کیا گیا ہوں۔

نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں اب دو سوال اور رہ گئے ہیں جو اگرچہ ہمارے موضوع سے متعلق نہیں ہیں لیکن اگر ان کا ذکر ہو جائے تو کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ بنو عامر کے اس آدمی نے کہا: آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔ ایک سوال اور ہے وہ یہ کہ اگر میں گناہوں اور برائیوں میں مبتلا ہوں تو جب تک میں گناہوں سے توبہ نہ کرلوں اس وقت تک نیکی کرنے کا کوئی فائدہ ہے یا نہیں؟ کیا اس بات کا انتظار کروں کہ پہلے گناہوں سے پاک ہو جاؤں پھر نیکی کروں؟ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سوائے نبی اور پیغمبر کے جو معصوم ہیں کوئی گناہوں سے خالی نہیں ہے۔ اگر یہ انتظار کرو گے کہ جب گناہوں سے پاک ہو جاؤں گا تب نیکی کروں گا تو قبر میں چلے جاؤ گے لیکن نیکی کی توفیق نہیں ہوگی۔ نیکی کی توفیق تو جب ہوگی جب تم گناہوں کے ساتھ ساتھ نیکی کرنے لگو جیسے جیسے نیکی کرو گے گناہ ختم ہوتے چلے جائیں گے۔

دریائے دجلہ اور ایک گندہ آدمی کا مکالمہ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک گندہ اور غلیظ آدمی بغداد میں دریائے دجلہ کے کنارے چلا جا رہا تھا۔ دریا کا پانی انتہائی صاف و شفاف تھا۔ اس نے دریا کو دیکھ کر کہا کہ ایک میں ہوں گندہ اور غلیظ آدمی اور ایک یہ پانی ہے کہ کتنا صاف و شفاف اور پاکیزہ ہے! دریا نے اس سے کہا: اگر تو میری طرح پاک و صاف اور پاکیزہ بننا چاہتا ہے تو آ اور میرے اندر غوطہ لگا۔ اس نے کہا نہیں! میں یہ نہیں کرسکتا، میں گندہ ہوں اور آپ پاک و صاف ہیں۔ میں اس قابل نہیں ہوں کہ اس قدر صاف شفاف پانی میں غوطہ لگاؤں۔

غلط سوچ محرومی کا باعث تقسیم سے پہلے ایک دفعہ میں پونا (PUNE) گیا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے کہا۔ صاحب یہاں تو جلسے عموماً سڑکوں پر ہوا کرتے ہیں۔ البتہ آپ کیلئے ہمارا خیال یہ ہے کہ شہر کی جامع مسجد میں جلسہ کا انتظام کیا جائے۔ میں نے کہا۔ جی بہت اچھا۔ چنانچہ مسجد میں ہی انتظام کیا گیا۔ جب میں وہاں گیا تو دیکھا کہ مسجد میں تو تھوڑے ہی ہیں البتہ چاروں طرف جو فصیل تھی وہاں بہت سارے آدمی جمع ہیں۔ میں نے منتظمین سے کہا۔ بھائی! یہ کیا قصہ ہے؟ کہنے لگے۔ صاحب، ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ہم گنہگار ہیں، ہم اس قابل نہیں ہیں کہ مسجد میں آسکیں۔ باقی وعظ سننے کا شوق ہے اس لئے ادھر ادھر کھڑے ہوگئے ہیں۔ میں نے ان لوگوں سے کہا۔ اگر آپ مسجد کے اندر آنے کے قابل نہیں ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ باہر رہ کر ہمارے اندر قابلیت پیدا ہو جائے تو یاد رکھئے۔ قیامت تک قابلیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ قابلیت تو مسجد میں داخل ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔

بہرحال اس شخص نے دریائے دجلہ سے کہا: میں اس قابل نہیں ہوں کہ تیرے اندر غوطہ لگا سکوں۔ مولانا جلال الدین رومیؒ نے لکھا ہے کہ دریا نے اس سے کہا۔ اگر تیرا یہ خیال ہے تو قیامت تک تو پاک نہیں ہو سکے گا۔ تو آنکھ بند کرکے میرے اندر غوطہ لگا اور جب تو باہر نکلے گا تو تو پاک وصاف ہوگا اور میرے پانی میں کوئی غلاظت نہیں آئے گی۔

شیطانی مکروفریب معلوم ہوا کہ نیکیوں سے دور رہ کر اگر تم یہ چاہو کہ پہلے میں گناہوں سے پاک ہو جاؤں پھر نیکی کروں تو کبھی نیکی نہیں کر سکو گے یہ شیطان کا وسوسہ اور گمراہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ نیکیاں کرو اگرچہ گناہ بھی ہو رہے ہوں۔ یہ وعدہ کرو۔

إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ

ترجمہ: نیکیاں کرو گے وہ نیکیاں تمہارے گناہوں کی ظلمت کو دور کرتی چلی

جائیں گی۔ پھر ایک دن ایسا آئے گا کہ نیکیاں غالب ہو جائیں گی۔

تیسرا سوال بنو عامر کے اس شخص کو یہ بات بہت پسند آئی۔ اس نے کہا، ایک آخری سوال اور ہے۔ وہ یہ کہ اگر میں آپ کی لائی ہوئی شریعت اور آپ کے لائے ہوئے دین پر عمل کروں تو مجھے کیا ملے گا؟ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ اسکا پھل تم کو "آخرت کی نجات" کے شکل میں ملے گا۔ اس نے کہا یہ آپ نے ادھار کی بات کر دی۔ نقد کی کہئے کہ دنیا میں کیا ملیگا؟

ایک درہم میں دس خیار ایک واقعہ لکھا ہے، ایک اللہ والے درویش تھے۔ ان کے ذہن میں دنیا کی کوئی بات ہی نہیں آتی تھی، ایک مرتبہ وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک لکڑی بیچنے والے نے آواز لگائی "ایک درہم میں دس خیار" خیار کے معنی لکڑی کے بھی آتے ہیں اور خیار "خیر" کی جمع بھی ہے جس کے معنی نیکی کے آتے ہیں۔ جیسے ہی یہ آواز ان کے کان میں آئی فوراً ان کے ذہن میں یہ آیا کہ یہ سودا تو بڑا سستا ہے۔ ایک درہم میں دس نیکیاں مل رہی ہیں، پیسہ لیکر دوڑے، باہر جا کر دیکھا تو ٹھیلے پر لکڑیاں رکھی ہوئی تھی لاحول پڑھے اور کہنے لگے میں تو یہ سمجھ کر آیا تھا کہ ایک درہم میں دس نیکیاں مل رہی ہیں، ایسے بھولے بھالے ہوتے ہیں اللہ والے!

تبت سنو! مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے۔ بیچارے بڑے بھولے بھالے اور سیدھے سادھے تھے۔ ہر وقت ان کا دھیان اللہ کی طرف لگا رہتا تھا، اور کثرت کے ساتھ مطالعہ کرتے تھے، ایک دفعہ یہاں تشریف لائے، میرے یہاں قیام تھا، میں نے اپنے صاحبزادے سے کہا، حضرت حج کیلئے تشریف لے جا رہے ہیں اس لئے کچھ ضروریات ہیں ذرا تم ساتھ بازار چلے جاؤ۔ جب شام کو واپس تشریف لائے تو فرمانے لگے، بھائی، میں نے دیکھا کہ جگہ جگہ سڑکوں پر بورڈ لگے ہوئے ہیں اور اس میں لکھا ہے "تبت سنو" "تبت سنو" کہیں یہ نہیں لکھا ہے کہ "قل ھو اللہ سنو" کیا بات ہے؟ میں

لگے کہ حضرت! آپ سے پڑھنے میں غلطی ہو رہی ہے، یہ تبت سنو نہیں ہے تبت، وہ تو (TIBET SNOW) ہے یہ ایک کریم (CREAM) کا نام ہے۔ فرمانے لگے جب ہی تو مجھے تعجب ہو رہا تھا کہ جگہ جگہ تبت سنو لکھا ہے لیکن قل ھو اللہ سنو کہیں نہیں لکھا ہے۔

بہرحال، حضور اکرم ﷺ کا جواب اس شخص کیلئے کافی تھا کیونکہ یہ کوئی جالینوس اور افلاطون کی بات نہیں تھی یہ سرکار دو عالم ﷺ کی بات تھی۔ آپ سے آ سکتی ہے، زمین آسمان اپنی جگہ سے ہٹ سکتے ہیں مگر حضور اکرم ﷺ کا قول ہٹ نہیں سکتا۔ کسی نے بالکل سچ کہا:

صدیوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی (کلیات اکبر [illegible])

اسلام پر عمل کرنے کا فائدہ اس نے کہا: مجھے یہ بتائیے کہ اگر میں آپ کی شریعت اور دین پر عمل کروں تو مجھے دنیا میں کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: دو فائدے ملیں گے۔

التمکن فی الارض والسعادۃ فی الآخرۃ

یہ دین اسلام پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے، نعرہ لگانے کا نتیجہ نہیں ہے، آج کل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر دروازے پر اسلام کا بورڈ لگا دیا تو اسلام آگیا، اگر سڑکوں پر اسلام کا نعرہ لگا دیا تو اسلام آگیا، نہیں۔ اسلام پر عمل کا فائدہ دنیا و آخرت دونوں میں ملے گا۔ دنیا میں عمل کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اقتدار عطا فرمائے گا، حکومت و سلطنت تم کو ملے گی۔ اور آخرت کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو نجات عطا فرمائیں گے یعنی دنیا میں بھی عزت اور آخرت میں بھی عزت۔ یہ ہے دین!

آمدم بر سر مطلب اس واقعہ کو بیان کرنے سے میرا مقصود یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ

کے جواب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے مل کر جو دعا مانگی تھی وہ آپ ﷺ کیلئے ہی مانگی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی دعا کو قبول فرمایا۔ اور یہ دعا حضور کی بعثت سے ڈھائی ہزار سال پہلے مانگی گئی تھی جبکہ نہ حضرت داؤد علیہ السلام آئے تھے۔ نہ حضرت سلیمان علیہ السلام آئے تھے نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے تھے اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تھے۔

سرکار دو عالم ﷺ کو خدا نے ساری خصوصیتوں سے نوازا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی پیدائش کیلئے سب سے اعلیٰ خاندان، عمدہ ترین جگہ اور موزوں و مناسب زمانہ کا انتخاب فرمایا۔ آپ کی پیدائش کیلئے روئے زمین کے اس مقام کو منتخب فرمایا جو دنیا کی ساری آبادی کا مرکزی اور محوری حصہ ہے۔ مرکز عالم ہے۔ اور وہ مکہ ہے۔ اگر آپ دنیا کا نقشہ لیکر بیٹھیں تو معلوم ہوگا کہ روئے زمین کے جس حصہ پر بیت اللہ ہے وہ حصہ پوری دنیا کا مرکزی درمیانی حصہ ہے۔ اور اس کی حکمت یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو حضور اکرم ﷺ کے ذریعہ ساری دنیا کے انسانوں تک پیغام پہنچانا تھا اس لئے آپ کی پیدائش کیلئے مرکزی مقام ہی مناسب تھا۔

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے ورود مسعود کیلئے ایسے خاندان کا انتخاب فرمایا کہ روئے زمین پر آدم علیہ السلام کی اولاد میں سب سے افضل اعلیٰ و ارفع خاندان تھا۔ اور وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا خاندان ہے جو آگے چل کر قریش کہلایا۔

حضور اکرم ﷺ کا ننھیال و دادھیال اور یہ بات غور کرنے کی ہے کہ یہ خاندان دراصل کہیں کا رہنے والا نہیں ہے، حجاز کا رہنے والا نہیں ہے۔ اسی لئے میں تم لوگوں کو سمجھانے کیلئے کہہ رہا ہوں کہ سرکار دو عالم ﷺ کا دادھیال عراق ہے اور ننھیال مصر ہے۔ یہ میں نے اس وجہ سے کہا کہ آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام سرزمین عراق میں پیدا ہوئے، وہاں سے ہجرت کر کے ملک شام تشریف لائے اور مصر کی شہزادی

حضرت ہاجرہ سے شادی کی جن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے بعد میں نسل کر انہیں کے خاندان میں سرکار دو عالم ﷺ تشریف لائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے ان کو مکہ میں اللہ کے گھر کے قریب آباد کیا۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی پیدائش کیلئے جگہ کا یہ تقدم تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے کر دیا تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام جا کر خانہ کعبہ کے قریب آباد ہو گئے۔ وہیں آپ کی نسل چلی۔ یہی نسل آگے چل کر خاندانِ قریش کہلائی۔ اسی خاندان کے ایک گھرانہ میں جو عبدالمطلب کا گھرانہ کہلاتا ہے سرکار دو عالم ﷺ تشریف لائے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ جس خاندان میں آپ ﷺ تشریف لائے وہ خاندان تمام خاندانوں کے مقابلہ میں سب سے اعلیٰ اور افضل خاندان تھا اور جس جگہ پر مبعوث ہوئے وہ جگہ روئے زمین میں سب سے زیادہ افضل ترین جگہ ہے کیونکہ وہ اللہ کا گھر ہے۔

بیت اللہ کا مطلب اللہ کے گھر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ [نعوذ باللہ] اللہ میاں اس میں رہتے ہیں، کھانا کھاتے ہیں، بستر بچھا کر سوتے ہیں۔ اللہ میاں ان تمام عیوب ونقائص سے پاک ہیں۔

بعض کم فہم لوگ بحثیں کرتے ہیں۔ کسی نے کہا صاحب! آپ مجھے مسجد میں بیٹھ کر شراب کیوں نہیں پینے دیتے؟ کہتے ہیں کہ تو شراب خانہ میں جا کر شراب پیو! بازار میں جا کر شراب پیو۔ تو کیا مسجد میں خدا موجود ہے اور دوسری جگہوں پر خدا موجود نہیں ہے؟ جس طرح مسجد میں خدا موجود ہے، شراب خانہ میں بھی موجود ہے، دوکان میں بھی موجود ہے اور گھر میں بھی موجود ہے، پھر آپ مسجد میں شراب پینے سے کیوں منع کرتے ہیں؟ کہتا ہے ؎ زاہد شراب پینے دے مسجد میں بیٹھ کر

یا وہ جگہ بتادے جہاں پر خدا نہ ہو

ایسی کوئی جگہ آپ نہیں بتا سکتے، پھر بھی خانہ کعبہ کو آپ اللہ کا گھر کہتے ہیں

جبکہ اللہ ہر جگہ موجود ہے ؟

ایک مثال سمجھنے کیلئے اس کی مثال بالکل ای طرح ہے جیسا کہ اگر میں آپ سے یہ پوچھوں کہ آپ کے جسم میں روح کس جگہ ہے؟ آپ یہی کہیں گے کہ جی میں کون سی جگہ بتاؤں؟ روح تو اوپر سے لیکر نیچے تک سارے جسم میں پھیلی ہوئی ہے، انگلی میں بھی ہے، ہاتھ میں بھی ہے، پاؤں میں بھی ہے، ناخن میں بھی ہے، ناک میں بھی ہے۔ ہر جگہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر آپ کا ہاتھ کٹ جائے تو آپ زندہ رہتے ہیں، ٹانگ کٹ جائے تو آپ زندہ رہتے ہیں، آنکھ نکل جائے تو آپ زندہ رہتے ہیں، ایک گردہ نکال دیا جائے تو آپ زندہ رہتے ہیں، پسلیاں تبدیل کردی جائیں تو آپ زندہ رہتے ہیں البتہ ایک چیز ایسی ہے کہ اگر اسے نکال دیا جائے تو آپ کی حیات ختم ہو جائیگی اور وہ قلب ہے۔

معلوم ہوا کہ حیات آپ کے پورے جسم میں پھیلی ہوئی ہے مگر اس کا مرکز ایک جگہ ہے جسکو قلب کہتے ہیں۔ اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ کا وجود اور اسکی تجلیات عرش سے لیکر فرش تک کوئی طبقہ ایسا نہیں ہے جہاں نہ ہو۔ وہ ہر جگہ موجود ہے البتہ اسکی تجلیات کا مرکز ایک ہے جسکو بیت اللہ اور خانہ کعبہ کہتے ہیں اور اس کے واسطے سے روئے زمین کی تمام مساجد اللہ کی تجلیات کے خاص مراکز ہیں، دوسری جگہوں کو یہ شرف و فضیلت حاصل نہیں ہے۔

مساجد و بازار میں فرق حدیث میں آتا ہے

"خیر البقاع مساجدھا و شر البقاع اسواقھا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۷۰)

روئے زمین کا بہترین حصہ وہ ہے کہ جس پر مسجدیں بنی ہوئی ہیں اور روئے زمین کا بدترین حصہ وہ ہے کہ جس پر مارکیٹ اور بازار بنے ہوئے ہیں۔ مساجد اور بازار میں اتنا بڑا فرق ہے، حالانکہ مسجد کی تعمیر کیلئے سمنٹ (CEMENT) اسی فیکٹری (FACTORY) سے آیا تھا جس سے دوکان کیلئے آیا ہے، مسجد کی تعمیر کیلئے لوہا بھی

وہی استعمال کیا گیا ہے جس سے مارکیٹ (MARKET) بنی ہوئی ہے۔ چونکہ بیچ اور سارا معاملہ مسجد میں بھی دیکھا جاتا ہے جو مارکیٹ بنانے میں استعمال ہوا ہے تاہم ان دونوں کے درمیان اتنا فرق ہے کیونکہ تقدیس و شرافت کا تعلق مسالہ سے نہیں ہے نقش اور بناوٹ سے نہیں ہے۔ دراصل اس خلاف اور اس خیر کو جس میں مسجد بنی ہوئی ہیں اللہ کی تجلیات کے ساتھ وہ تعلق ہے جو مارکیٹ اور بازار کو نہیں ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی دعوت مرکزی ہے تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ سرکار دو عالم ﷺ کی دعوت چونکہ مرکزی حیثیت کی حامل تھی اس لئے آپ کی تشریف آوری کیلئے وہ مقام مناسب تھا جو روئے زمین کا مرکز ہو اور روئے زمین کا مرکز بیت اللہ ہے جو اللہ کی خاص تجلیات کا بھی مرکز ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی پیدائش کیلئے مکہ کو منتخب فرمایا۔ اور آپ کی پیدائش وہیں ہوئی اور اس خاندان میں ہوئی جو عزت و شرافت میں معیاری حیثیت رکھتی تھی۔

عورت اسلام کی نظر میں ہماری نظروں میں عفت و عصمت کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہ گئی ہے۔ اگر کسی لڑکے یا لڑکی کا ناجائز تعلق قائم ہو جاتے تو لوگ کہنے لگتے ہیں کہ ارے صاحب کیا فرق پڑ گیا؟ اگر ایک مٹکے میں آپ پانی رکھ دیں اور جتنے پیاسے ہیں ان میں سے ہر ایک باری باری آ کر پیتا چلا جائے تو اس سے مٹکے (مٹکا) کا کیا بگڑ گیا؟ پانی کا کیا نقصان ہو گیا؟ دراصل ان کی نظر میں عورت کی تخلیق کا مقصد ہی شہوت رانی ہے خواہ وہ دوستی کے ذریعہ ہو، پیشوں کے ذریعہ ہو یا کسی اور ذریعہ سے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے ذہنوں میں عفت و عصمت اور پاکدامنی کا وہ تصور اور وہ احساس نہیں رہا جو اسلام نے ہمارے اندر پیدا کیا تھا۔ اسلام کسی قیمت پر یہ گوارا نہیں کرتا کہ کسی عورت کی چادر عصمت تار تار ہو جائے۔ اسلام اس کیلئے جان تک لینے کو تیار ہے۔ چنانچہ اس کیلئے سنگساری اور قتل کی سزا دیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی خاندانی شرافت تو خود سرکار دو عالم ﷺ اپنے خاندان کی شرافت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس خاندان اور اس گھرانہ میں پیدا کیا کہ جس خاندان میں حضرت آدم و حوا علیہما السلام سے لیکر نیچے تک میرے جتنے باپ اور جتنی مائیں آئی ہیں ان میں سے کبھی کسی کے درمیان ناجائز تعلقات قائم نہیں ہوئے سب کے سب نیک اور ازدواجی تعلقات کے ساتھ زندگی گذارے ہیں اور جس طرح حضور اکرم ﷺ کے نسب میں کوئی ماں باپ کے درمیان ناجائز تعلقات کبھی قائم نہیں ہوئے اسی طرح ان میں سے کوئی کبھی غلام اور باندی بھی نہیں رہے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کو دودھ پلانے والی عورتوں میں سے بھی کوئی عورت کنیز نہیں ہے۔

دودھ کے اثرات کیونکہ بچہ پر دودھ کا بھی اثر ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب ماں بچہ کو دودھ پلاتی ہے تو اگر ماں نیک ہے تو دودھ کے ساتھ ساتھ بچے کے اندر نیکی بھی جاتی ہے اور اگر وہ نیک نہیں ہے تو دودھ کے ساتھ ساتھ اسکا فساد بھی بچہ میں سرایت کرتا ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگ اس سے ناواقف ہیں۔ معلوم ہوا کہ دودھ کا اثر بچہ پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک صحابی کسی جنگ کے موقعہ پر فخریہ فرماتے ہیں۔

انا ابن الاکوع　　　　اليوم يوم الرضع (۱)

میں اکوع کا بیٹا ہوں، کسی غلام کا بیٹا نہیں ہوں اور آج دودھ کے آزمائش کا دن ہے۔ میں نے کسی باندی کا دودھ نہیں پیا ہے جسکا پتہ آج میدان جنگ میں چل جائے گا۔ اگر میں نے کسی باندی کا دودھ پیا ہے تو ہار جاؤں گا۔ معلوم ہوا کہ باندی کا دودھ کوئی فضیلت پیدا نہیں کرتا۔

ثویبہ خوش نصیب خاتون بہرحال، حضور اکرم ﷺ کے نسب میں کسی ماں باپ کے درمیان کبھی ناجائز تعلقات قائم نہیں ہوئے اور نہ ان میں سے کوئی غلام اور باندی

---

(۱) بخاری شریف ص ۱/ ۴۲۰، مسلم شریف حدیث ۱۸۰۷، سنن ابی داؤد حدیث ۲۷۵۲، مسند احمد حدیث ۱۶۵۱۹

تھے البتہ آپ ﷺ کو دودھ پلانے والی خواتین میں سے کوئی باندی اور کنیز نہیں۔ البتہ ایک خاتون جنہوں نے آپ کو دودھ پلایا ہے ایسی تھیں جو آپ کو دودھ پلانے سے پہلے کنیز تھیں۔ ان کا نام ثویبہ ہے۔ یہ عبد العزیٰ کی کنیز تھیں۔ عبد العزیٰ حضورؐ کا چچا ہے۔ اس کی کنیت ابولہب ہے۔ یہ وہی ہے جس کے بارے میں قرآن کریم کی سورۃ "تبت یدا ابی لہب" نازل ہوئی۔

ثویبہ چونکہ باندی تھیں اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضورؐ کو دودھ پلانے کیلئے یہ انتظام ہوا کہ جب حضور اکرم ﷺ پیدا ہوئے تو سب سے پہلے انہوں نے ہی جاکر اپنے آقا ابولہب کو بشارت دی کہ آپ کے گھرانے میں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ حالات میں لکھا ہے کہ ابولہب بہت خوش ہوا اور انگلی سے اشارہ کرکے یہ کہا کہ اس خوشخبری سنانے کے عوض میں نے تجھے آزاد کردیا۔ اب ثویبہ آزاد ہوگئیں پھر انہوں نے حضور ﷺ کو دودھ پلایا۔ ماں کے بعد حضورؐ نے سب سے پہلے جس عورت کا دودھ پیا ہے وہ یہی ثویبہ ہیں جو دودھ پلاتے وقت کنیز نہیں تھیں آزاد تھیں۔

فصاحت و بلاغت کی معراج

حضور اکرم ﷺ کو تین عورتوں نے دودھ پلایا ہے۔ سب سے پہلے آپ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہؓ نے پھر ثویبہ نے اس کے بعد مستقل طور پر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے آپ سے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی قوت گویائی اور طلاقت لسانی عطا فرمائی ہے۔ ہر وقت آپ کی زبان سے حکمت کے کلمات نکلتے رہتے ہیں۔

کمالات انبیاء وہبی ہوتے ہیں

یاد رکھئے نبیوں کے جو کمالات ہوتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ ہوتے ہیں وہ کوئی ہنر فنی پیداوار نہیں ہوتے بلکہ ان کے اندر جو کمالات ہوتے ہیں ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت
رفت و منزل بدیگرے پرداخت

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر آدمی اپنی جگہ بقراط اور سقراط ہے جبکہ کرسی سے اترنے کے بعد کوئی پوچھتا بھی نہیں کہ کس گلی میں آباد ہو رہے ہیں۔ ایسے ہی حاکموں میں سے کسی نے یہ بات کہی کہ قومیں گرم علاقوں سے نہیں بنتی ٹھنڈے علاقوں سے بنتی ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ بات انہوں نے کس آسمانی صحیفے سے پڑھ کر کہی لیکن بات یہ ہے کہ آدمی جب کرسی اقتدار پر بیٹھ کر کوئی بات کہتا ہے تو سب لوگ واہ واہ کرتے ہیں جیسا کہ قوالی میں بغیر سمجھے ہوئے بھی لوگوں کو حال آجاتا ہے۔

کمالات کا تعلق جغرافیائی حدود سے نہیں ہوتا یہ تصور غلط ہے، اسلام کی تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ یہ گرم خطوں کے اندر ہی بنی ہے، ممکن ہے کسی قوم میں اچھائیاں یا برائیاں آب وہوا کے اثرات کی وجہ سے آئی ہوں جیسے بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ صاحب میرے اندر تو اعلیٰ قسم کی صلاحیتیں ہیں لیکن بدقسمتی سے میں ایشیا میں پیدا ہو گیا اگر یورپ میں پیدا ہوا ہوتا تو میرے جوہر کی بڑی قدر ہوتی۔ لیکن نبی اور پیغمبر کی کوئی خوبی اور کوئی اچھائی جغرافیائی اثرات کی پیداوار نہیں ہوتی اللہ کی عطا کردہ ہوتی ہے۔ انسانوں کی تربیت سے نہیں ہوتی اللہ کی تربیت سے ہوتی ہے۔ انسانوں کی تعلیم سے نہیں ہوتی اللہ کی تعلیم سے ہوتی ہے۔

سرکار کا جواب سرکار دوعالم ﷺ میں جو قوت گویائی اور طلاقت لسانی تھی وہ بھی خدا کی عطا تھی، مگر آپ نے سبق دینے کیلئے جو بات ارشاد فرمائی وہ یہ کہ آپ نے فرمایا، تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے کس خاتون کا دودھ پیا ہے؟ میں نے خاندان بنوسعد کی ایک نہایت نیک خصلت خاتون کا دودھ پیا ہے جنکا نام حلیمہ سعدیہ ہے۔ فرمایا کہ یہ فصاحت وبلاغت اور قوت گویائی انہیں کے دودھ کے اثرات ہیں۔ معلوم ہوا کہ بچے کے اوپر ماں کے دودھ کے اثرات ہوتے ہیں۔

لمحہ فکریہ لہذا جو لوگ عیسائی مشرک اور بے دین عورتوں کو اپنے بچوں کو دودھ

حدودِ عقل

آجکل جن لوگوں کو اجتہاد کا شوق ہے انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ جہاں قرآن کریم کی آیت بصراحت موجود ہے وہاں اجتہاد کا سوال نہیں ہے جہاں رسول اللہ ﷺ کی سنت موجود ہے وہاں اجتہاد کا سوال نہیں ہے قرآن کریم کی ترجمانی پر اور رسول اللہ کی سنت پر صحابہؓ نے اجماع کر دیا ہے۔ اور اتباع کا مطلب یہ ہے کہ صحابہؓ نے طے کر دیا ہے کہ قرآن کی اس آیت کا اور رسول کی اس حدیث کا یہی مفہوم ہے اس کے خلاف کسی شخص کو اجتہاد کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیا کوئی ایسا آدمی ہو سکتا ہے جو یہ کہے کہ میں قرآن کریم کو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بہتر سمجھتا ہوں یا میں سنت رسول ﷺ کو صحابہ کرامؓ سے بہتر سمجھتا ہوں؟ حالانکہ صحابہؓ کی آنکھوں نے سرکار دو عالم ﷺ کا جو نور دیکھا ہے قیامت تک اس روئے زمین پر کوئی بڑے سے بڑا ولی اللہ اور بڑے سے بڑا قطب الاقطاب بھی پیدا ہو جائے اسکی آنکھوں کو وہ سعادت حاصل نہیں ہو سکتی۔ صحابہؓ نے اپنی آنکھوں سے حضور ﷺ کو دیکھا ہے اور آپ کو برتا ہے۔

(ارشاد: حضرت خطیب الامتؒ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدودِ عقل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ
وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ
اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ
وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ
اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ
تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ
خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

ہیں یہ عقل، عالم غیب کی عقل ہے۔ یہی عقل معاد ہے۔

انبیاء کی تعلیم انبیائے کرام علیہم السلام اسی عقل کی تعلیم دینے کیلئے دنیا میں تشریف لاتے تھے۔ عقل معاش کی تعلیم دینے کیلئے تشریف نہیں لاتے تھے۔ اسی لئے آپ ﷺ کی زندگی میں بعض ایسے واقعات بھی ہوئے ہیں جو عقل معاش سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے متعلق آپ نے فرمایا۔ اس کے بارے میں مجھے نہیں معلوم۔ تم زیادہ جانتے ہو۔

واقعۂ تابیر نخل تابیر نخل کا واقعہ سیرت پاک کا مشہور واقعہ ہے۔ نخل کے معنی ہیں کھجور اور تابیر کے معنی ہیں پیچ لگانا۔ آپؐ ایک باغ کے پاس سے گذرے وہاں ایک شخص کھجور کی دو شاخیں لے لے کر جوڑ جوڑ کر لگا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے جب دیکھا تو فرمایا کہ بھائی یہ کیا کر رہے ہو؟ آپ کا مقصد روکنا نہیں تھا مگر اس نے یہ سمجھا کہ شاید حضور مجھے اس سے روک رہے ہیں لہذا اس نے ایک ایک شاخ ہی لگائی۔ جب وہ درخت بڑا ہو گیا تو کھجور نہیں آئی۔ اس نے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا تھا کہ تو یہ کیا کر رہا ہے؟ اس لئے میں نے ایک ایک شاخ کر کے لگائی لیکن پھل نہیں آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ تم میری بات سمجھے نہیں۔ میرا مقصد منع کرنا نہیں تھا میں تو صرف تعجب کا اظہار کر رہا تھا۔ باقی یہ کہ اسکو ملا کر لگانے سے کھجور آتی ہے اور الگ الگ لگانے سے کھجور نہیں آتی یہ مجھے نہیں معلوم۔ فرمایا کہ۔

انتم اعلم بامور دنیاکم

تم اپنے دنیاوی امور کے متعلق مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ یہ نہیں فرمایا کہ کاشتکاری کس طرح ہوتی ہے؟ صابن کس طرح بنتا ہے؟ فلاں چیز کس طرح تیار ہوتی ہے؟ یہ عقل معاش ہے اسکا تعلق تجربہ سے ہے۔ تم تجربہ کرو تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

اور عقل معاد کا تعلق روحانیت سے ہے کہ روحانیت میں میل کس طرح آ؟

اور عقل معاد کا تعلق روحانیت سے ہے کہ روحانیت میں سیل کس کس طرح آتا ہے؟ روشنی کس طرح آتی ہے؟ روحانیت کو نقصان کس طرح پہنچتا ہے اور روحانیت کو جلا کس سے حاصل ہوتی ہے؟ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی نہیں بتا سکتا۔ ارسطو نہیں بتا سکتا، جالینوس اور افلاطون نہیں بتا سکتا۔

دل و دماغ بہرحال۔ ایک عقلِ معاش ہے اور ایک عقلِ معاد ہے۔ یوں تو سمجھانے کے لئے میں نے دونوں کو لفظ عقل سے تعبیر کیا ہے لیکن دونوں کی جگہ الگ الگ ہے۔ عقل معاش کی جگہ دماغ ہے اور عقل معاد کی جگہ دل اور روح ہے۔ ایک کو مطلقاً عقل کہتے ہیں اور دوسرے کو دل کہتے ہیں۔ عقل وہ ہے جو آپ کو کھانے کمانے اور دھندے کا راستہ بتاتی ہے کہ آپ کیسا دھندہ کریں؟ کس طرح کمائیں؟ اور دل وہ ہے جو انسان کے جذبات و احساسات کے بارے میں بحث کرتا ہے۔ اس کیلئے عقل بیکار ہے۔ اس سے کچھ نہیں بتا سکتی۔ جیسا کہ ابھی ابھی میں نے آپ کے سامنے علامہ اقبال مرحوم کا شعر پڑھا۔

تو اصل مسئلہ جو ہے روحیت اور روح کی کشمکش کا ہے۔ عقل اور دل کی کشمکش کا ہے۔ عقل سے متعلق جتنے علوم ہیں وہ سب آپ کو کمانے کھانے کا طریقہ بتاتے ہیں اور دل سے متعلق جو علوم ہیں وہ آپ کو آخرت کا راستہ دکھاتے ہیں۔

علم و فن اسی لئے معاف کیجئے گا ہم اس علم کو علم نہیں کہتے جو آپ کو صرف کمانے اور تجارت کرنے کا راستہ بتاتا ہے۔ اسکا نام علم نہیں ہے اسکا نام فن ہے۔ علم وہ ہے جو خدا کی معرفت پیدا کرے اور آخرت کا راستہ دکھائے۔ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں علامہ جلال الدین رومیؒ فرمارہے ہیں۔ فرمایا کہ ؎

علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت زنگ گمراہی ز دل بزدایدت

علم وہ ہے جو دل کے زنگ کو دور کرے اور آخرت کا راستہ دکھائے۔ باقی آپ

علم نہیں ہے اسکا نام فن ہے۔ فن پیٹ کی غذا مہیا کرتا ہے اور علم دل کی غذا مہیا کرتا
ہے۔ علامہ اقبال مرحوم کا ایک اور شعر یاد آگیا۔ فرمایا کہ ؎

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا (کلیات [illegible])

لڑائی روح اور پیٹ کی ہے۔ یعنی دنیا ہر چیز کو کھانے پینے اور پیٹ کے تعلق سے
دیکھنا چاہتی ہے بجائے علم کی آپ کو یہ بتاتا ہے کہ صرف پیٹ ہی پیٹ نہیں ہے۔
عالم آخرت بھی ہے اس کی بھی فکر کرو اعمال و اخلاق کو بھی دیکھو اور روحانیت کی ترقی بھی
طے کرو۔

اکبر الہ آبادی کی شخصیت علامہ اقبال کے علاوہ ایک اور حکیم، فلسفی اور صوفی
شاعر یاد آگئے وہ اکبر الہ آبادی مرحوم ہیں۔ جو جج تھے انگریزی تعلیم یافتہ تھے لیکن وہ
اللہ والے تھے۔ عارف باللہ تھے ان کی زندگی کے بعض واقعات ایسے ہیں کہ جن سے
معلوم ہوتا ہے کہ واقعتاً اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے میں معرفت بھر رکھا تھا۔ ان
کے بیٹے کا نام "عشرت" تھا۔ جب وہ پڑھنے کیلئے ولایت جانے لگا تو یہ اس کے خلاف
تھے کہ بچے پڑھنے کیلئے ولایت جائیں۔ کہتے تھے کہ اس سے بیٹے کے عقائد خراب ہو جائیں
گے اس کے اعمال خراب ہو جائیں گے۔ اور انہیں سرسید سے اسی وجہ سے اختلاف
بھی تھا۔ بہرحال بیٹا بات نہیں مانا اور ولایت چلا گیا پھر وہی ہوا جسکا خوف تھا وہاں
کی ہوا لگی۔ اکبر الہ آبادی اس کو بار بار بلاتے رہے مگر وہ واپس نہیں آیا۔

اکبر الہ آبادی کی اپنے فرزند کو نصیحت جب وہ ولایت جا رہا تھا تو اس نے اکبر
الہ آبادی سے کہا ابا جی مجھے ایک ایسی گھڑی کی خواہش ہے جس کے اوپر گھوڑے کی
تصویر بنی ہوئی ہو۔ باپ کے دل میں بیٹے کی تمنا اور خواہش پوری کرنے کا جذبہ ہونا لازمی
امر ہے انہوں نے بہت ڈھونڈا اور تلاش کیا مگر ویسی گھڑی کہیں نہیں ملی۔ جب بیٹا

اپنے اس ساتھی کے بارے میں جو برابر میں کھڑا ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے؟ کیا نہیں چاہتا ہے؟ تو جب انسان، انسان کی خواہش کا پتہ نہیں چلا سکتا اس کی مرضیات و نامرضیات کا پتہ نہیں چلا سکتا تو ایک انسان خدا کی مرضیات و نامرضیات کا پتہ کیسے چلا سکتا ہے؟ حق و باطل کا پتہ کیسے چلا سکتا ہے؟

وحی نبوت کی علامت ہے ظاہر ہے کہ اس کا پتہ صرف وحی سے ہی چل سکتا ہے اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے عظیم شخصیتوں کو جنہیں ہم اور آپ انبیاء کرام علیہم السلام کہتے ہیں منتخب فرمایا۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔ یہی نبی کی نشانی اور علامت ہے۔ نبی وحی سے ہی پہچانے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ

میں بے شک بشر ہوں لیکن میرے اوپر وحی نازل کی جاتی ہے۔ یہی نبوت کی علامت ہے۔

نبوت کی عمر انبیاء کرام کو یہ منصب کب دیا جاتا ہے؟ اس وقت دیا جاتا ہے جب وہ حواس خمسہ کی منزل سے اونچے ہو جاتے ہیں قوت تمیز کی منزل سے اونچے ہو جاتے ہیں اور عقل کی منزل سے اونچے ہو جاتے ہیں۔

میں نے گذشتہ جمعہ عرض کیا تھا کہ بچہ جب کچھ بڑا ہو جاتا ہے اور اس کے حواس کام کرنے لگتے ہیں تو سات سال سے لیکر بارہ تیرہ سال کے درمیان ایک قوت ملتی ہے اس کو "قوت تمیز" کہتے ہیں۔ پھر اس کے بعد وہ عقل کی منزل پر پہنچتا ہے۔ جب اسے عقل ملتی ہے تو جو کچھ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، کانوں سے سنتا ہے اور ناک سے سونگھتا ہے ان سب کو ملا کر دلیلیں قائم کرتا ہے۔ عقل کے ذریعہ مقدمات قائم کرتا ہے اور نتیجہ نکالتا ہے۔۔۔ تو جب حواس مکمل ہو جاتے ہیں تو قوت تمیز ملتی ہے اور جب قوت تمیز مکمل ہو جاتی ہے تو قوت عقل ملتی ہے۔ اور جب کسی کی عقل رفتہ رفتہ

اپنے سارے کمالات مکمل کر کے اپنی انتہائی منزل کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو منتخب کر کے اس کے عقل کے اوپر نبوت کی امنت رکھتے ہیں۔

مقام نبوت معلوم ہوا کہ نبوت کا مقام عقل کے کمالات سے اوپر ہے۔ جہاں عقل کے کمالات ختم ہو جاتے ہیں وہاں سے نبوت کا دور شروع ہوتا ہے۔ لہذا نبی اور پیغمبر کے کسی بات پر آپ کا یہ کہنا کہ مجھے عقل سمجھاؤ بعید از قیاس ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہوا جیسا کہ ہم اوپر کی منزل سے آپ کو سمجھائیں اور آپ کہیں کہ نیچے کی منزل سے سمجھاؤ، ہم یقین کی منزل سے سمجھائیں اور آپ کہیں کہ شک کی منزل سے سمجھاؤ۔

مثال سے سمجھئے مثلاً اگر اس مسجد ایسا زمین دوز تہ خانہ ہو کہ وہاں سے آسمان نظر نہ آئے، اور ایک آدمی اس میں طلوع و غروب کا نقشہ اور گھڑی لیکر بیٹھ گیا۔ پہلے اس نے نقشہ دیکھا اور یہ سمجھا کہ آج اکتوبر کی گیارہ تاریخ کو چھ بجکر بارہ منٹ پر آفتاب غروب ہوگا پھر گھڑی دیکھی اور نیچے سے ہی اعلان کر دیا کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ اور ایک آدمی مینار کے اوپر بیٹھا ہوا ہے، وہ اپنی آنکھوں سے آفتاب کو دیکھ رہا ہے، اس نے اعلان سن کر کہا ارے ظالم! تو نے غلط فیصلہ کیا ہے، ابھی تو مجھے سورج نظر آرہا ہے۔ تم نے کیوں یہ اعلان کر دیا ہو وہ یہی کہے گا کہ میرا نقشہ کہہ رہا ہے کہ آج چھ بجکر بارہ منٹ پر غروب ہے اور میری گھڑی کہہ رہی کہ چھ بجکر بارہ منٹ ہوگئے اس لئے میں نے اعلان کر دیا۔ لیکن اسے یہ نہیں معلوم کہ ہو سکتا ہے کہ نقشہ مرتب کرنے والے نے نقشہ غلط مرتب کر دیا ہو یا ہو سکتا ہے کہ نقشہ اسکا صحیح ہو اور گھڑی غلط ہو۔ بہر حال وہ شک کی منزل سے اعلان کر رہا ہے اور یہ مینار پر بیٹھ کر یقین کی منزل سے اسکو رد کر رہا ہے۔

قول نبی عقل کی محتاج نہیں تو میرے دوستو! نبی اور پیغمبر کی بات کے متعلق اگر آپ یہ کہیں کہ مجھے عقل سے سمجھاؤ تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ ہم مینار سے اتر کے تہ خانہ میں جا کر آپ کو سمجھائیں جبکہ ہم وہاں سے یقین کے ساتھ آنکھوں دیکھی ہوئی بات

بتاتے ہیں۔ اور یہ جو فلسفہ اور منطق کا فرق میں نے بیان کیا ہے یہی علامہ اقبال کا کہنا ہوا ہے۔ فرمایا کہ

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں

(یعنی خبر دیتا ہے۔ عقل تو خبر دیتی ہے)

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں

ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

تو اسلام یہ ہے کہ نبی اور پیغمبر عالم غیب سے متعلق جو کچھ کہتے ہیں وہ آنکھوں سے دیکھ کر کہتے ہیں اس لئے اس پر بلا چون و چرا یقین کر لے۔

حضرت مجدد الف ثانی کی تحقیق

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ جو شخص قول نبی یا وحی کو سن کر یہ کہے کہ میں اسے اس وقت تک نہیں مانوں گا جب تک کہ یہ میری عقل میں نہ آ جائے تو لکھا ہے کہ ایسا شخص کافر ہے۔ اور اسکی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ شخص در اصل اللہ کی وحی اور نبی کی نبوت پر ایمان نہیں لایا ہے بلکہ اپنی عقل پر ایمان لایا ہے۔

لہذا آپ حضرات یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ جب انسان کے حواس غلطی کرتے ہیں تو قوت تمیز اسکی رہبری کرتی ہے اور جب قوت تمیز غلطی کرتی ہے تو عقل اسکی رہبری کرتی ہے اور جب عقل سے غلطی کا صدور ہوتا ہے تو اللہ کی وحی اسکی رہبری کرتی ہے تو وحی عقل کی رہبر ہے۔ عقل وحی کی رہبر نہیں ہے۔ لہذا آج جو لوگ شریعت مطہرہ کو اپنی عقل کے تابع کرنا چاہتے ہیں در اصل وہ لوگ اللہ کی وحی کو غلام بنا کر عقل کو اس کا امام بنانا چاہتے ہیں۔

خیر تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ انبیاء کرام کی طرف وحی اس وقت آتی ہے جب ان کے عقل کی تمام صلاحیتیں مکمل ہو جاتی ہیں۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

نبوت کے منصب پر سرفراز فرماتے ہیں ان کے حواس مکمل ہوتے ہیں۔ ان کی قوت تمیز مکمل ہوتی ہے اور ان کی عقل مکمل ہوتی ہے۔ دنیا کے بڑے سے بڑا عاقل اور حکیم کی مثال بھی اگر آپ سامنے لائیں تو سرکار دو عالم ﷺ کی عقل کے مقابلے میں وہ طفل مکتب ہیں۔

نبی کی فطری صلاحیت دراصل جس بچے کو اللہ تعالیٰ آگے چل کر نبی بنانا چاہتے ہیں اس کو شروع ہی سے آنکھوں سے دیکھنے کی، کانوں سے سننے کی اور ہاتھوں سے چھونے کی جو قوت دیتے ہیں وہ عام بچوں سے علیحدہ قوت ہوتی ہے۔ ایک عام بچہ جب پیدا ہوتا ہے اسکو اللہ تعالیٰ جو صلاحیتیں عطا فرماتے ہیں اسکو تولہ بھر سے شروع کرتے ہیں جبکہ جو بچہ آگے چل کر نبی ہونے والا ہوتا ہے اسکو اللہ تعالیٰ پہلے دن سے سیر بھر سے شروع کرتے ہیں۔ اگر یہ فرق نہیں ہوتا تو سرکار دو عالم ﷺ جب حضرت حلیمہ سعدیہ ؓ کا دودھ پی رہے تھے تو آپ کو یہ شعور کس نے عطا فرمایا تھا کہ جو عورت مجھے دودھ پلا رہی ہے اسکی گود میں ایک بچہ اور بھی ہے اس لئے آپ ﷺ صرف ایک طرف کا ہی دودھ پیتے تھے دوسری طرف کا نہیں پیتے تھے کہ کہیں میرا بھائی بھوکا نہ رہ جائے۔ اس طفولیت کے زمانہ میں اتنا شعور کہ اگر ہم اور آپ چالیس سال سے بھی متجاوز ہوجائیں تو اتنا شعور ہمارے اندر نہیں آتا ہے۔ نبی کے جذبات اور احساسات اتنے کامل ہوتے ہیں کہ دنیا میں کسی کے جذبات واحساسات اتنے کامل نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی کے اندر جسمانی اور روحانی اعتبار سے بال برابر بھی کمی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو نبوت کا مستحق نہیں قرار دیتے۔ تو نبی کی قوت تمیز کامل ہوتی ہے۔ عقل کامل ہوتی ہے یہاں تک کہ جسمانی بناوٹ اور جسمانی طاقت کے اعتبار سے بھی نبی سب سے کامل اور مکمل ہوتے ہیں۔

حضرت رکانہ ؓ کا واقعہ حضرت رکانہ ؓ جو ابھی صحابی نہیں ہوئے

مجھ سے ایک مرتبہ حضورؐ سے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں تو پڑھا لکھا نہیں ہوں، میں کیا جانوں کہ قرآن میں کیا ہے؟ معجزہ کیا ہے؟ میں تو پہلوان آدمی ہوں، کشتی لڑنا جانتا ہوں، اگر آپ مجھے کشتی میں پچھاڑ دیں تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے منظور فرما لیا۔ کشتی ہوئی اور آپ نے حضرت رکانہ کو پچھاڑ دیا۔ حدیث میں آتا ہے جب رکانہ پچھڑ گئے تو اپنی پیٹھ اور اپنے جسم کو ٹٹولنے لگے کہ دیکھیں کیا ہوا؟ کوشش کرتے تھے کہ شاید کچھ ایسا ہو گیا ہو۔ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے۔

اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جن کو نبوت عطا فرماتے ہیں وہ تمام کمالات میں سب لوگوں سے زیادہ ہوتے ہیں حتیٰ کہ جسمانی طاقت میں بھی سب سے زیادہ ہوتے ہیں، ان کا کوئی مقابل نہیں ہوتا۔

بہرحال۔ آپ ﷺ کی عقل بنی نوع انسان میں سب سے زیادہ کامل و مکمل تھی۔ پھر بھی آج دنیا میں ایسے ایسے عقلمند ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے قول کو عقل کی کسوٹی پر پرکھیں گے۔ ارے تو سنو! عقل کی گمراہی کو دور کرنے کیلئے ہی تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی ہے کہ اس ذریعہ تم عقل کی گمراہی کو درست کرلو۔

عقل کی حقیقت

اب رہی یہ بات کہ عقل کیا چیز ہے؟ عقل کسے کہتے ہیں؟ تو آجکل کی اصطلاح میں اسے یوں سمجھئے کہ جیسے آپ لوگ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں کی جیب کتری کرتا ہے۔ تو آجکل اگر جیب کتری کا امام دیکھنا ہو تو وہ امام عقل ہے۔ عقل جیب کتری میں سب سے آگے ہے۔ اگر کوئی آدمی چوری ڈکیتی کرنا چاہتا ہے تو عقل کہے گی کہ آئیے آئیے میں آپ کو سارا راستہ بتاتی ہوں، میں آپ کو ترکیب اور طریقہ بتاتی ہوں۔ کسی انسان کا قتل و چوری کا، اسی طرح اگر ایک آدمی تہجد پڑھنا چاہتا ہے یا کوئی اور نیکی کرنا چاہتا ہے تو عقل اس کو نیکی کا راستہ بھی بتاتی ہے۔ تو چور کی عقل چور ہوتی ہے صوفی اور عارف کی عقل عارف ہوتی ہے۔ علامہ اقبال نے غلط نہیں کہا، فرماتے ہیں

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم
(بال جبریل)

یہ تو بہروپیہ ہے۔ کبھی پوسٹ مین (POST MAN) کا لباس پہن کر آتا ہے۔ کبھی فلم ایکٹر (FILM ACTOR) کا لباس پہن کر آتا ہے اور کبھی اللہ والوں کا لباس پہن کر آتا ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ یہ قابل ہدایت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو منجانب اللہ یہ اشارہ کیا جاتا ہے کہ کونسی چیز جائز ہے اور کونسی چیز ناجائز ہے۔ اسے کیا چاہتے ہیں اور کیا نہیں چاہتے ہیں۔ اور یہ اشارہ بذریعہ وحی ہوتا ہے۔ وحی کس طریقہ پر آتی ہے؟

اللہ والوں کی تحقیق بھی قابل قدر ہے آپ حضرات ان لوگوں کو تو داد دیتے نہیں تھکتے جنہوں نے دنیا میں کسی نئی چیز کا پتہ چلایا ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں نے ایک نیا براعظم کا پتہ چلایا ہے جسکا نام امریکہ ہے۔ کولمبو (COLOMBO) نے فلاں چیز کا پتہ چلایا، فلاں نے فلاں چیز کا پتہ چلایا لیکن کبھی اللہ کے ان عارف بندوں کو بھی داد دے دیا کرو جنہوں نے اس بات کا پتہ چلایا کہ دل کی بناوٹ کیسی ہے: میں اس سے پہلے بھی آپ حضرات کو بتا چکا ہوں کہ یہاں دل سے مراد گوشت کا لوتھڑا نہیں ہے بلکہ دل سے مراد جذبات و احساسات کا مرکز ہے جو سینہ میں ہے۔ جو اللہ کے رہنے کی جگہ ہے اسکو اللہ کے عارف بندوں نے بتایا ہے اور سبحان اللہ کیا خوب کہا ہے۔

عالم محسوسات میں دل کی مثال فرمایا کہ عالم محسوسات میں دل کی مثال ایسی ہے کہ جیسے گاجر ہے۔ یعنی دل کی شکل گاجر جیسی ہے اور اس کے چاروں طرف شیشے کی کھڑکیاں ہیں۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ اس میں چاروں طرف سے ہوا آتی ہے۔ آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف سے ہوا آتی ہے۔ لیکن یہ کیسے پہچانا جائے کہ کس طرف سے ہوا آرہی ہے؟ فرمایا کہ اگر کسی طرف باغ ہے تو ہوا ٹھنڈی آئے گی۔ اگر کسی طرف پاخانہ

باغ لگنے کی جگہ ہے تو ہوا بھی پُربہار آئے گی، اگر سمندر ہے تو ہوا بھیگی بھیگی آئے گی اور اگر کسی طرف پہاڑ ہے تو خشک آئے گی۔ فرماتے ہیں حضرت انسان کے دل میں جو طرح طرح کے خیالات اور وسوسے آتے ہیں وہ انہی دروازوں سے آتے ہیں جن سے مختلف قسم کی ہوائیں آتی ہیں خیالات آتے ہیں۔ کبھی یہ خیال آتا ہے کہ میں جنید بغدادیؒ بن جاؤں اور کبھی یہ خیال آتا ہے کہ میں ابلیس کا بھی چچا بن جاؤں۔ فرمایا کہ گھبراؤ نہیں۔ یہ خیالات اس وجہ سے آتے ہیں کہ کبھی باغ کی طرف سے ہوا آتی ہے تو کبھی جہاں پاخانہ ڈالا جاتا ہے اس طرف سے ہوا آتی ہے۔ خیالات آتے ہیں، ان کی پرواہ نہ کرو۔ عارف نے کہا ؎

گاہ رشک برد فرشتہ بر پاکئ ما
گاہ خندہ زند دیو ز ناپاکئ ما

کبھی کبھی تو ہم ایسے مقدس ہو جاتے ہیں کہ اگر ہمارے دل کی حالت فرشتوں کو معلوم ہو جائے تو وہ بھی رشک کرنے لگیں اور کبھی ابلیس بھی شرما جائے کہ یہ تو میرا بھی چچا بن گیا۔

گاہ رشک برد فرشتہ بر پاکئ ما — گاہ خندہ زند دیو ز ناپاکئ ما
ایمان چو سلامت بلب گور بریم — احسنت برین چستی و چالاکئ ما

بھائی! ہواؤں کا کوئی اعتبار نہیں ہے، آنے دو، ادھر سے آئی تو کیا ہے ادھر سے آئی تو کیا ہے۔ سوال عمل کا ہے، عمل کے ذریعہ ایمان کو محفوظ کر کے قبر تک لے جاؤ۔ خیالات کو چھوڑ دو۔

نبی کے دل کی مثال انہیں اللہ والوں نے یہ بھی بتایا کہ نبی اور پیغمبر کے قلب کی مثال ایسی ہے جیسے پائپ۔ پائپ میں دو منہ ہوتے ہیں ایک، ایک سرا یہ دوسرا دوسرے سرا پر، اگر پائپ میں ایک طرف سے کوئی چیز ڈالی جائے تو وہ براہ راست

جمالِ محمدیؐ

حضور اکرم ﷺ کا حسن کامل درجہ کا حسن تھا،
ایسا حسن اللہ نے کسی کو نہیں دیا۔ غزوہ احد میں جب حضور
اکرم ﷺ کافروں کے نرغے میں آگئے اور آپ کا دندان
مبارک شہید ہو گیا۔ اور خود زرہ کا ایک حلقہ آپ کے
رخسار مبارک میں چبھ گیا۔ آپ کے چہرہ انور سے خون بہہ
رہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا منہ لگایا اور دانت
کے ذریعہ اس حلقہ کو کھینچ لیا جس کی وجہ سے حلقہ کے زخم کا
نشان بن گیا تھا۔ مگر صحابہ کہتے ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ
کے چہرہ اقدس پر زخم کا یہ نشان بن گیا تو اس نشان کی وجہ سے
آپ کا حسن دوبالا ہو گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے
حسن میں ایک کمی تھی جو اس نشان نے پوری کر دی۔ ممکن
ہے آپ کی سمجھ میں یہ بات نہ آئے اور آپ یہ سمجھیں کہ یہ
زخم اور عیب ہے اس سے حسن میں کیونکر اضافہ ہو سکتا ہے مگر
میں یہ کہتا ہوں کہ حسن اس کا نام نہیں ہے جس کی تعریف
تم نے کی ہے بلکہ حسن دراصل اس کو کہتے ہیں جس کو سرکار
دو عالم ﷺ کے چہرہ پر پالیا جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ ... مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٨﴾ (سورۃ التوبۃ)

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

آنحضرت ﷺ کی شرافت نسبی

بزرگانِ محترم! دو جمعہ پہلے گذشتہ جمعہ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو دنیا میں نسبی اور دینی قبیلہ میں پیدا فرمایا جو باعتبار نسب کے سب سے زیادہ شریف قبیلہ تھا اور شرافت نسبی یہ ہے کہ نسب میں کہیں اور کسی جگہ بھی کوئی بدنما داغ اور دھبہ موجود نہ ہو چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے خود بھی اس کا اظہار فرمایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والد عبداللہ تک اور حضرت حوا علیہا السلام سے لے کر میری والدہ آمنہ تک درمیان میں جتنے باپ اور جتنی مائیں ہیں ان سب کا آپس میں تعلق دین و مذہب کے مطابق صحیح طریقہ پر قائم ہوا ہے، نکاح کے ساتھ قائم ہوا ہے۔ درمیان میں ایسا کوئی تعلق موجود نہیں ہے جو بدنامی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ یہ نسبی شرافت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو خاندانِ قریش میں مبعوث فرمایا۔ اور نسب کے متعلق تھوڑی سی تفصیل میں نے گذشتہ جمعہ کو عرض کی تھی۔

پیغمبر علیہ السلام کا حسن و جمال

پھر نسب کے علاوہ بہت سے کمالات اور بہت سی خوبیاں ایسی ہیں جو آپ ﷺ کے جسم اطہر سے تعلق رکھتی ہیں، آپ کی صفات سے

تعلق رکھتی ہیں۔ آپ کے علم و عمل سے تعلق رکھتی ہیں۔ جہاں تک آپ ﷺ کے
جسم و بدن کے کمالات کا تعلق ہے روئے زمین پر اللہ تعالیٰ نے ایسی حسین صورت کسی
کو عطا نہیں فرمائی جو حضور اکرم ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔ حالانکہ حضرت یوسف علیہ السلام
کا حسن مشہور ہے۔ اور اس لئے مشہور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حسن اللہ تعالیٰ
نے بطور اعجاز کے عطا فرمایا تھا اور اعجاز کا مطلب یہ ہے کہ یہ خاص طور پر صرف
انہیں کو دیا گیا کسی اور کو نہیں دیا گیا۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک
ہزار پچاس سال کی عمر عطا فرمائی تھی۔ یہ ان کا معجزہ تھا ورنہ انسانوں کی ساخت اور
بناوٹ ایسی ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ ایک سو ڈیڑھ سو سال سے زیادہ اس ڈھانچے میں
چلنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ تو حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایک معجزہ ہے۔ اسی طرح
حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن بھی معجزہ ہے مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم
ﷺ کو جو حسن عطا فرمایا تھا وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن سے بھی زیادہ ہے۔
فرمایا کہ

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

جتنے نبی اور پیغمبر تشریف لائے ہیں۔ کسی میں ایک کمال ہے۔ کسی میں دوسرا
کمال ہے، کسی میں تیسرا کمال ہے۔ لیکن حضور اکرم ﷺ میں اللہ نے تمام کمالات جمع
فرما دیئے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں علماء نے تفصیل سے لکھا ہے اور
حسن یوسف علیہ السلام پر کیا علماء نے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی ہے کہ جس کے بارے میں
پوری تحقیق نہ کی ہو۔

حسن کی حقیقت حسن کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ حسن ایک ایسی چیز ہے کہ
جس کی حقیقی تعریف کوئی نہیں کر سکتا ہے۔ بس جس کو جو چیز پسند آجائے اس کیلئے وہ

حسین ہے۔ مگر پسندیدگی کیلئے ہر ایک کا مذاق الگ الگ ہے۔ آپ اگر گندمی رنگ یا کھلا اور صاف رنگ پسند کرتے ہیں تو یہ آپ کا اپنا مذاق ہے لیکن بعض ملک ایسے ہیں کہ وہاں کے لوگ اس رنگ کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کالوں میں سے ہیں۔ اسے پسند نہیں کرتے۔ اور بعض ملک ایسے ہیں کہ وہاں کے لوگ اس رنگ کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو گوروں میں سے ہیں۔ انہیں تو کالا رنگ پسند ہے

افریقہ کے اندر حسن کا معیار یہ ہے کہ رنگ اتنا کالا ہو کہ سیاہی میں چمک پیدا ہوجائے۔ لیکن آپ کے معیار میں یہ حسن نہیں ہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سی چیزیں ہیں کہ جن میں حسن کا معیار الگ الگ ہے۔ کسی کو بڑی بڑی آنکھیں پسند ہیں کسی کو چھوٹی چھوٹی آنکھیں پسند ہیں، کسی کو سیاہ بال پسند ہے تو کسی کو سنہرا بال پسند ہے، کسی کو کوئی قد وقامت پسند ہے تو کسی کو کوئی قد وقامت پسند ہے۔ جیسے بعض شعراء اپنے محبوب کے قد کی تعریف میں تشبیہ دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ میرے محبوب کا قد اتنا سڈول اور حسین ہے جیسے سرو کا درخت ہے لیکن ایک شاعر کہتا ہے کہ جن لوگوں نے محبوب کے قد کو سرو کے درخت کے ساتھ تشبیہ دی ہے انہوں نے صحیح نہیں کیا ہے، کہتا ہے کہ ؎

وائے بر شاعرانِ نادیدہ غلطی را بخود پسندیدہ
سرو را قدِ یار می گویند سرو چوبیست ناتراشیدہ

جان بوجھ کر شاعروں نے غلطی کی ہے۔ ارے ظالم تونے تو یہ دیکھ لیا کہ سرو لمبا اور سیدھا چلا گیا ہے لیکن یہ نہیں دیکھا کہ جو چال ڈھال محبوب کے قد میں ہے وہ سرو کے درخت میں نہیں ہے۔

حسن کے انتخاب میں اختلافِ مذاق جسکا مطلب یہ ہے کہ پسندیدگی اور ناپسندیدگی کیلئے مختلف قسم کے مذاق ہیں لہذا حسن کی حقیقی تعریف نہیں ہو سکتی۔ بعض

لوگوں نے حسن کی تعریف یہ کی ہے کہ جو نظروں کو بھا جائے وہ حسین ہے۔ اگر آپ کسی سے کہیں کہ یہ رنگ کالا ہے تو جواب دیا جائے گا کہ جس کی نظر میں یہ بھا گیا ہے اس سے پوچھو۔ اس کی نظر سے دیکھو۔

لیلیٰ را بچشم مجنوں باید دید

لیلیٰ کے حسن کو مجنوں کی آنکھوں سے دیکھنا چاہیے۔ تمہاری آنکھوں کو بھائے یا نہ بھائے اس کو پسند ہے۔ اور میری رائے میں حسن کی یہ تعریف سب سے بہتر تعریف ہے لیکن بعض علماء نے اس کی یہ تعریف کی ہے کہ انسان کے جسم میں جتنے اعضاء ہیں ان سب کے درمیان ایک نہایت لطیف قسم کی موزونیت ہو اور سب میں برابری ہو۔

مثال کے طور پر ایک حسین مخلوق جس کی اونچائی ساڑھے پانچ فٹ ہو تو اس اونچائی کی مناسبت سے دیکھئے کہ اس کا سر کتنا بڑا ہونا چاہیے؟ اس کے ہاتھ کتنے بڑے ہونے چاہئیں؟ اس کی ٹانگیں کتنی بڑی ہونی چاہئیں؟ اس کے پاؤں کتنے بڑے ہونے چاہئیں؟ اس کی آنکھیں کتنی بڑی ہونی چاہئیں؟ اگر اس قد و قامت کے اوپر جسم کے تمام اعضاء میں موزونیت موجود ہے تب تو وہ حسین ہے اور اگر اس میں موزونیت نہیں ہے، بے ڈھنگا پن ہے تو اسے حسین نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً ساڑھے پانچ فٹ کے قد کے اوپر بھاری سر بھلا لگتا ہے لیکن اگر اس کے جسم کو تھوڑا سا بڑھا دیا جائے اور سر کو بڑا کر دیا جائے جیسے کہ پانی رکھنے کا گھڑا ہوتا ہے تو بھدا معلوم ہوگا اسی طرح سے اگر سر کو اتنا چھوٹا کر دیا جائے جیسے کہ بلی کا سر ہوتا ہے تب بھی بھدا معلوم ہوگا۔ اس لئے کہ سر اور قد و قامت کے درمیان جو تناسب ہونا چاہئے تھا وہ نہیں ہے۔

گجرات کے شاہ دولہ کی کہانی آپ نے گجرات میں انہیں دیکھا ہوگا جو شاہ دولہ کے چوہے کہلاتے ہیں۔ یہ وہی شاہ دولہ ہیں جن کے بارے میں مشہور ہے۔ "جدھر مولا اودھر شاہ دولہ"۔ گجرات کے قریب ہی ویرانے آباد میں ایک دریا ہے۔ ایک مرتبہ

اس دریا میں بڑا زبردست سیلاب آیا، پانی شہر میں داخل ہونے لگا۔ لوگ شاہ دولہ کے پاس گئے۔ انہوں نے پہلے تو انکار کیا کہ میں کچھ نہیں کر سکتا ہوں لیکن جب لوگوں نے اصرار کیا کہ نہیں، آپ اللہ کے مقرب بندہ ہیں، آپ دعا کریں یہ مصیبت ٹل جائے گی۔ فرمایا کہ اچھا! ایک پھاوڑہ لاؤ۔ لوگ پھاوڑا لے آئے۔ فرمایا چلو، اور جاکر جہاں سیلاب آیا ہوا تھا اس کے قریب کی زمین کھودنے لگے۔ لوگوں نے کہا، حضور، یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر ہم کو ایک دن ڈوبنے میں لگے گا اگر آپ نے زمین کھود دیا تو بس دو گھنٹے میں ہی ڈوب جائیں گے۔ تو انہوں نے جواب میں فرمایا۔ بہ ہر مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ اگر خدا کی مرضی یہی ہے کہ وہ ہم کو پانی میں غرق کر دے تو تم کیا یہ سمجھتے ہو کہ شاہ دولہ اس کے خلاف چاہے گا؟ نہیں! بہ ہر مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ اور جیسے ہی انہوں نے کھودنا شروع کیا پانی اترنا شروع ہوگیا۔ معلوم ہوا کہ کبھی تدبیر کچھ ہوتی ہے اور نتیجہ کچھ ہوتا ہے۔ فرمایا کہ:

الٹی ہی چال چلتے ہیں دیوانگانِ عشق
آنکھوں کو بند کرتے ہیں دیدار کیلئے

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب ؒ کی کرامت

حضرت میاں اصغر حسین صاحب ؒ بڑے محدث تھے حدیث کے ہمارے بھی استاذ تھے بڑے اللہ والے تھے، دیوبند میں ان کا مزار ہے۔ ان کے والد بھی خدا کے بڑے مقبول، درویش اور فقیر تھے۔ ایک وقت ایسا آیا کہ بارش بند ہوگئی، لوگ ان کے پاس گئے اور جاکر کہا کہ حضرت، آپ دعا کریں کہ کسی طرح بارش ہو جائے۔ فرمایا کہ اللہ مجھ سے ناراض ہے، میں جو کرتا ہوں اللہ اس کے خلاف کرتا ہے، میں جو چاہتا ہوں اللہ اس کے خلاف چاہتا ہے، اس لئے مجھ سے دعا نہ کراؤ۔ لوگوں نے کہا: نہیں حضرت، آپ تو خدا کے بڑے مقبول اور مقرب بندہ ہیں۔ فرمایا کہ میں جو کہہ رہا ہوں اسے مان جاؤ۔ لوگوں نے کہا

نہیں مانتے۔ فرمایا کہ اچھا ایک چادر لاؤ۔ چادر لائی گئی۔ انہوں نے اسے دھو کر سوکھنے کیلئے دھوپ میں ڈال دیا۔ بس جیسے ہی دھوپ میں ڈالا فوراً ابر آ گیا اور بارش ہونے لگی۔ فرمایا کہ دیکھو میں نے کہا تھا نا کہ میں جو چاہتا ہوں اللہ اس کے خلاف چاہتا ہے۔ اب میاں نے ساری چادر سوکھنے نہیں دی۔

حسن نام ہے اعضاء کے تناسب کا

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ شاہ دولہ کے چوہے مشہور ہیں۔ ان کے چھوٹے چھوٹے سر ہوتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان میں حسن نہیں تھا۔ ہاتھ ٹھیک۔ پاؤں ٹھیک۔ تمام اعضاء ٹھیک لیکن سر چھوٹا تھا جس کی وجہ سے حسن کے معیار سے نکل گیا۔

اور اگر فرض کر لیجئے کہ سر موزوں اور مناسب جسم کا ہی ہو لیکن ہاتھ ایک ایک بالشت کا ہو۔ انگلیاں چھوٹی چھوٹی ہوں یا آنکھیں بالکل چھوٹی ہوں جیسے کہ شتر مرغ کی ہوتی ہیں تو آپ اندازہ لگایئے کہ کتنا برا لگے گا۔ علماء نے لکھا ہے کہ حسن کی تعریف یہ ہے کہ اللہ نے جو قدوقامت دیا ہے اسی مناسبت سے سر بھی ہو۔ اسی مناسبت سے چہرہ بھی ہو۔ اسی مناسبت سے آنکھیں بھی ہوں۔ اسی مناسبت سے ناک اور کان بھی ہو۔ اسی مناسبت سے ہاتھ اور پاؤں بھی ہوں۔ جب یہ تناسب اعضاء کسی کے اندر پیدا ہو جائے تو اسی کو حسین کہتے ہیں اور فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے انسان سے بڑھ کر کسی مخلوق کو حسین نہیں بنایا۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر بیان فرمائی ہے۔ فرمایا کہ۔ وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ ﴿١﴾ وَطُورِ سِينِينَ ﴿٢﴾ وَهَٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ﴿٣﴾

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ﴿٤﴾

(ترجمہ: قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر کی ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے) (معارف القرآن)

احسن کے معنی عربی میں آتے ہیں سب سے زیادہ حسین۔ یعنی انسان سے

زیادہ حسین مخلوق نہیں پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا حسین ڈھانچہ اور ایسا حسین قالب عطا فرمایا ہے کہ اس پوری کائنات میں کسی مخلوق کو نہیں عطا فرمایا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت ایک عورت حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئی اور جا کر یہ کہا کہ آج میرا شوہر کسی بات پر مجھ سے ناراض ہو گیا اور مجھے طلاق دے دی۔ اس نے یہ الفاظ کہے: "اگر تو چاند سے زیادہ حسین نہیں ہے تو تجھکو تین طلاق" اب میں یہ پوچھنے آئی ہوں کہ میں کیا کروں؟ مجھ پر تو طلاق واقع ہو گئی کیونکہ میں چاند سے زیادہ حسین تو کیا لالٹین سے زیادہ حسین بھی نہیں ہوں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جا تو اپنے شوہر کے گھر پر رہ۔ تیرے اوپر طلاق واقع نہیں ہوئی اس لئے کہ خدا نے قسم کھا کر کہا ہے کہ ہم نے سب سے زیادہ حسین مخلوق انسان کو بنایا ہے۔ خدا کی قسم: تو چاند سے زیادہ حسین ہے۔ اور فرمایا کہ تو نے یہ دیکھ لیا کہ چاند میں روشنی اور چمک ہے لیکن کیا چاند میں یہ بادام جیسی آنکھیں ہیں؟ کیا اس کے پاس یہ لمبی لمبی زلفیں ہیں؟ کیا اس کے یہ چمکتے ہوئے دانت ہیں؟ کیا اس کا یہ قد و قامت ہے؟ اس زمانہ میں یہ حضرات لوگوں کی مشکلات کو حل کیا کرتے تھے۔

امام ابو حنیفہؒ کی ذہانت ایک عورت غالباً حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ حضرت! جب میں اپنے شوہر سے کہتی ہوں کہ آٹا ختم ہو گیا، دال ختم ہو گئی تو وہ ناراض ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی اتنا ناراض ہو جاتا ہے کہ مجھے خطرہ ہونے لگتا ہے کہ یہ طلاق دے بیٹھے گا۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب چیزیں انتہائی سستی تھیں۔ خود میں نے اپنے زمانہ میں دیکھا ہے کہ ایک روپیہ کے بیس پچیس سیر گیہوں آتے تھے اور ایک روپیہ کا دو سیر خالص گھی آتا تھا۔ تو جب اس زمانہ میں عورتوں کی فرمائش پر مردوں کو غصہ آتا تھا تو آجکل پتہ نہیں کیا ہوتا ہوگا۔ اس لئے کہ آجکل کی گرانی تو ایسی ہے جیسے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قہر آ رہا ہے۔

بہرحال، اس عورت نے حضرت امام ابو حنیفہ سے کہا کہ حضرت ! میری مشکل حل کیجئے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، تم ایسا کرو کہ جب کبھی تمہارا آٹا ختم ہو جایا کرے تو تم اپنے شوہر سے نہ کہنا، بلکہ تم یہ کرنا کہ خالی بوری لے جا کر صحن میں ڈال دینا۔ چنانچہ اس عورت نے یہی کیا، جب آٹا ختم ہو گیا تو بوری لے جا کر صحن میں ڈال دی۔ شوہر نے جب دیکھا کہ آٹے کی خالی بوری صحن میں پڑی ہوئی ہے تو وہ ہنسنے لگا اور کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو امام ابو حنیفہ کے پاس گئی ہے اور انہوں نے ہی یہ تدبیر بتائی ہے۔

حسن کے اقسام خیر، حسن کے بارے میں ذکر ہو رہا تھا کہ حسن دراصل نام ہے تناسب اعضاء کا، پھر حسن کی بہت سی قسمیں ہیں۔ میں ان میں سے دو قسموں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اور یہ دونوں حسن وہ حسن ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو عطا فرمایا تھا۔ ایک حسن وہ ہے کہ جب اس پر پہلی نظر پڑے تو انسان ہوش و حواس کھو بیٹھے، اس حسن کے جو اثرات ہوتے ہیں وہ دیکھنے والے کے اپنے اختیار سے نہیں ہوتے، اپنے قابو سے نہیں ہوتے، اسی طرح یہ اثرات کسی کی آواز سننے سے بھی ہو جاتے ہیں۔ فرمایا کہ:

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

اسی لئے خواتین کو بلا ضرورت کسی سے بات کرنے سے منع فرمایا ہے اور اگر ضرورت پڑ جائے تو ترش لہجہ میں کریں، آواز بنا بنا کر نہ کریں۔

تو ایک حسن وہ ہے کہ جب دیکھنے والے کی پہلی نظر اس پر پڑے تو ہوش و حواس غائب ہو جائے لیکن پھر اگر اسی آدمی نے اس حسن کو دوسری مرتبہ دیکھا تو اب وہ کیفیت نہیں رہی، پھر تیسری مرتبہ دیکھا اب برداشت ہو گیا، جتنا جتنا دیکھتا چلا جو دیا

بے قوت برداشت بڑھتی چلی جارہی ہے۔ یہ حسن بہت اعلیٰ درجہ کا حسن ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن اور یہی حسن اللہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا۔ دنیا کا کوئی فرد بشر ایسا نہیں تھا خواہ وہ مرد ہو یا عورت جو پہلی مرتبہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مدہوش نہ ہوگیا ہو۔ بلکہ یہ بات تجربہ میں بھی آچکی تھی جب زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں گرفتار ہوگئیں تو بعض عورتوں نے اسے ملامت کی اور برا بھلا کہا۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہاں حسین ہوں گے لیکن ایسا بھی کیا کہ تو نے ہوش و حواس بھی کھو دیا؟ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کا تجربہ زلیخا کو ہو چکا تھا۔ اس نے کہا کہ ہم تم کو بھی تجربہ کرا دیتے ہیں چنانچہ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک کمرہ میں بٹھا دیا اور تمام ملامت کرنے والی عورتوں کو بلا کر ایک کمرہ میں بٹھا دیا اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری اور ایک لیموں دے دیا اور کہا کہ تم لیموں کاٹو۔ وہ لیموں کاٹ رہی تھیں کہ زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر ان کے سامنے آگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عورتیں مدہوش ہوگئیں اور لیموں کاٹتے کاٹتے اپنی انگلیاں کاٹ لیں اور انہیں پتہ بھی نہیں چلا۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن تھا۔

سرکار دوعالم ﷺ کا حسن مگر علماء نے لکھا ہے کہ ایک حسن اس سے بھی اعلیٰ ہے وہ دوسری قسم کا حسن ہے۔ اور وہ حسن یہ ہے کہ جب پہلی دفعہ اس پر نظر ڈالی جائے تو کوئی خاص بات معلوم نہیں ہوتی۔ دوسری مرتبہ میں حسن کچھ زیادہ نظر آتا ہے پھر جب تیسری مرتبہ نظر ڈالی جاتی ہے تو بے چینی اور بے قراری آجاتی ہے اور جب چوتھی مرتبہ دیکھا جاتا ہے تو کیفیت پہلے سے زیادہ خراب ہوجاتی ہے یعنی جتنی مرتبہ نگاہ ڈالتے چلے جاؤ اثر بڑھتا چلا جائے گا۔ فرمایا کہ سرکار دوعالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہی حسن عطا فرمایا تھا۔ پہلی نظر میں دیکھنے والا اگرچہ مدہوش نہیں ہوتا تھا مگر جب بار بار دیکھتا تھا تو بہت زیادہ ہوجاتا تھا۔ آپ کے حسن کے علیحدہ علیحدہ کمالات نظر آتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک صحابی کہتے ہیں کہ چودھویں رات کا چاند نکلا ہوا تھا اور حضور اکرم ﷺ سرخ حلے پہنے ہوئے چاند کی روشنی میں بیٹھے ہوئے تھے میں کبھی حضور کے چہرے کی چمک کو دیکھتا تھا اور کبھی چاند کی چمک کو دیکھتا تھا خدا کی قسم میں نے حضور اکرم ﷺ کو چاند سے زیادہ خوبصورت اور حسین پایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اللہ نے جو حسن عطا فرمایا تھا وہ دنیا میں کسی کو عطا نہیں فرمایا۔ اور وہ حسن ایسا تھا کہ دیکھنے والے کے اندر روز بروز فرق آ رہا تھا۔ فرمایا کہ -

یزیدک وجهه حسنا اذا ما زدته نظرا

جتنی جتنی نظر ڈالتے چلے جاؤ گے حسن بڑھتا ہوا نظر آئے گا۔

حضرت یوسفؑ اور سرکار دوعالم ﷺ کے حسن میں فرق اسی لئے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عورتوں کو توجہ کرانے کیلئے ان کے بارے میں کیوں نہیں ہوتیں۔ انہیں معلوم ہے کہ پہلی مرتبہ حضور کو دیکھ کر بے ہوشی کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ انہوں نے کیا کہا؟ فرمایا کہ -

لواحی زلیخا لو رأین جبینه

لآثرن بقطع القلوب علی الید

خدا کی قسم زلیخا کو ملامت کرنے والی عورتیں جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر لیموں کے بدلے میں انگلیاں کاٹ لی تھیں آج اگر وہ حضور اکرم ﷺ کے حسن کو دیکھتیں تو بجائے انگلیاں کاٹنے کے کلیجے کاٹ لیتیں۔

لواحی زلیخا لو رأین جبینه

لآثرن بقطع القلوب علی الید

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کا حسن کامل درجہ کا حسن تھا۔ ایسا حسن اللہ نے کسی کو نہیں دیا۔ فرمایا مدینہ میں جب حضور اکرم ﷺ کا نزول کے

رخسار میں آگئے اور آپ کا دندان مبارک شہید ہو گیا۔ اور خود یا زرہ کا ایک حلقہ آپ کے رخسار مبارک میں چبھ گیا۔ آپ کے چہرہ انور سے خون بہہ رہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا منہ لگایا اور دانت کے ذریعہ اس حلقہ کو کھینچ لیا جس کی وجہ سے حلقہ کے زخم کا نشان بن گیا تھا۔ مگر صحابہ کہتے ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ کے چہرہ اقدس پر زخم کا یہ نشان بن گیا تو اس نشان کی وجہ سے آپ کا حسن اتنا دوبالا ہو گیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے حسن میں اسی کی کمی تھی جو اس نشان نے پوری کر دی۔ ممکن ہے آپ کی سمجھ میں یہ بات نہ آئے اور آپ یہ سمجھیں کہ یہ داغ اور دھبہ ہے۔ اس سے حسن میں کیونکر اضافہ ہو سکتا ہے مگر میں یہ کہتا ہوں کہ حسن اس کا نام نہیں ہے جس کی تعریف تم نے کی ہے بلکہ حسن دراصل اس کو کہتے ہیں جس کو سرکار دو عالم ﷺ کے چہرہ پر جگہ مل جائے۔ فرمایا کہ

حسن خود حسن ہوا ہے ۔ حسین ہونے سے

روئے زیبا ترا خود زینت زیبائی ہے

ہم تو حسن اسے کہتے ہیں جسکو حضور کے چہرہ پر جگہ مل جائے اگر وہ داغ دھبہ ہو تو حضور کے چہرہ پر وہ بھی حسین معلوم ہوتا ہے۔

آنحضرت ﷺ جامع کمالات تھے

تو میں نے حضور اکرم ﷺ کے نبی اور انسانی کمالات بیان کئے جسمانی کمالات میں ہی آپ ﷺ کی صحت و تندرستی بھی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ صحت و تندرستی اور قوت بدنی عطا فرمائی تھی جو اس آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کسی کو عطا نہیں فرمائی۔ آج جس آدمی کو تندرست کہا جاتا ہے اس کے اندر بیماری تو ہوتی ہے لیکن وہ ظاہر نہیں ہوتی۔ کیوں؟ حکیموں نے صحت و تندرستی کا ایک معیار بنایا ہے ایک کسوٹی بنائی ہے کہ تندرست کسے کہتے ہیں؟ بیمار کی تعریف کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ جب تندرستی کا معیار معلوم

ہو جائے گا تو بیماری خود بخود معلوم ہو جائے گی۔

آفریقہ میں مجھ سے ایک بیرسٹر صاحب (BARISTER) نے سوال کیا کہ مولانا صاحب! ذرا یہ بتائیے کہ کفر کی کیا تعریف ہے؟ میں نے کہا، جناب! آپ نے سوال غلط کیا ہے۔ کفر کی کوئی تعریف نہیں ہے تعریف تو در حقیقت اسلام کی ہے، اسلام کی مخالفت کا نام کفر ہے، اصل میں تعریف آپ کو اسلام کی پوچھنی چاہئے۔ کیونکہ جب اسلام کی تعریف آپ کو معلوم ہو جائے گی تو جہاں جہاں آپ اسکی مخالفت دیکھیں گے سمجھ لیں گے کہ یہ کفر ہے، مخالفت کفر کا نام اسلام نہیں ہے بلکہ مخالفت اسلام کا نام کفر ہے۔

صحت و تندرستی کا معیار تو میں نے عرض کیا کہ حکیموں نے تندرستی کا ایک معیار متعین کیا ہے۔ شیخ بو علی سینا کہتے ہیں کہ انسان کے جسم میں چار مادے ہیں، چار اخلاط ہیں، خون، بلغم، سودا اور صفرا۔ یہ چاروں مادے جب انسان کے جسم میں کاتبے کی تول کے مطابق ہوں اور برابر برابر کام کرتے ہوں اسی کا نام ہم نے تندرستی رکھا ہے۔ جس کا بلغم نہ زیادہ ہو نہ کم ہو، خون نہ زیادہ ہو نہ کم ہو، سودا نہ زیادہ ہو نہ کم ہو، صفرا نہ زیادہ ہو نہ کم ہو وہ تندرست ہے اور اگر بلغم بڑھ گیا یا خون بڑھ گیا یا سودا بڑھ گیا یا صفرا بڑھ گیا تو وہ بیمار ہے۔ یہ تندرستی کا معیار ہے لیکن یاد رکھئے! معیار بنانا تو بہت آسان ہے لیکن اس پر پورا اترنا بہت مشکل ہے۔

جیسے کسی طالب علم نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ میں بڑا آدمی ہو جاؤں گا پھر ایسا کروں گا ویسا کروں گا پھر بادشاہ کی لڑکی سے شادی کروں گا۔ منصوبہ بنانے میں تو کچھ خرچ نہیں ہوتا! کچھ دنوں کے بعد کسی نے کہا کہ جی! آپ نے جو شہزادی سے شادی کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اس کا کیا ہوا؟ کہنے لگے کہ پچاس فیصد کامیابی ہو گئی ہے اور پچاس فیصد کامیابی کا انتظار ہے! پوچھا گیا کہ کیا مطلب؟ کہنے لگے کہ میں تو راضی ہوں وہ

ابھی تک راضی نہیں ہوئی ہے۔ ارے بھائی اس بیچاری فیصلہ سے کیا ہوگا جس میں تم راضی ہو۔ کام تو اس بیچاری فیصلہ سے چلے گا کہ جب وہ راضی ہو۔ یہ کون سی کامیابی ہے؟ کہنے لگے کم از کم منصوبہ تو ہم نے بنا لیا، اس میں کیا حرج ہے؟

حضور اکرم ﷺ کی صحت تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ شیخ بو علی سینا کہتے ہیں کہ تندرستی کیلئے چاروں خلطیں برابر ہونے چاہئیں۔ فرماتے ہیں کہ اب ہم چراغ لیکر نکلے۔ ایک کو دیکھا، دو کو دیکھا، سو کو دیکھا، ہزاروں اور لاکھوں کو دیکھا تو یہ عجیب بات معلوم ہوئی کہ سوائے ایک شخصیت کے آدم کی اولاد میں سے ایک آدمی بھی اس معیار پر پورا نہیں اترا۔ اس کسوٹی پر ایک آدمی بھی تندرست نظر نہیں آیا۔ اور جب ایک آدمی بھی اس معیار پر پورا نہیں اترا تو پھر ہم نے اپنا معیار ہی بدل دیا۔ آج ہم تندرست اسے بھی کہتے ہیں جس کے اندر اعتدال میں کمی زیادتی تو ہے لیکن بیماری ظاہر نہیں ہوئی ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ آج ہم اور آپ جب تندرست کہلاتے ہیں تو حقیقت میں تندرستی نہیں ہے لیکن بہرحال، جسم پر کوئی بیماری ظاہر نہیں ہوئی ہے اس لئے ہم تندرست کہلاتے ہیں۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب شیخ بو علی سینا کی زبان سے ہی سن لیجئے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم یہ معیار لیکر نکلے تو کوئی انسان اور کوئی بشر ہمیں ایسا نہیں ملا جس کی چاروں خلطیں برابر کام کر رہی ہوں صرف ایک ذات اور ایک ہستی ایسی ملی جو مکمل طور پر اس معیار پر پوری اتری ہوئی تھی، جسکی چاروں خلطیں برابر کام کر رہی تھیں اور وہ محمد عربی ﷺ کی ذات گرامی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامل درجہ کی تندرستی عطا فرمائی تھی اور جب تندرستی ہوتی ہے تو چہرہ اور جسم پر رونق بھی ہوتی ہے۔

صحت کی پہچان یہاں یہ بات غور کرنے کی ہے کہ جو آدمی جتنا زیادہ بیمار ہوگا اس کے پیشاب اور فضلہ میں اور اس کے پسینہ میں اتنا ہی سخت قسم کا تعفن اور بدبو

ہوگی اور جو آدمی جتنا کم بیمار ہوگا اس کے پسینے میں اتنی ہی کم بدبو ہوگی اور جو آدمی بالکل تندرست ہوگا تو گویا کہ اس کے پسینے میں بالکل بدبو نہیں ہوگی۔ جب یہ فلسفہ آپ حضرات کی سمجھ میں آگیا تو اب یہ سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو صحت وتندرستی کا اعلیٰ ترین معیار عطا فرمایا تھا اسی کی بنا پر اگر یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ کے جسم اطہر سے جو پسینہ نکلتا تھا اس میں وہ خوشبو تھی جو گلاب میں بھی نہیں ہوتی تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا (۱)۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو صحت وتندرستی عطا فرمائی تھی وہ آدم کی اولاد میں سے کسی کو نہیں عطا فرمائی۔ اور صرف صحت وتندرستی ہی نہیں بلکہ ساتھ ساتھ قوت جسمانی بھی کامل درجہ کی عطا فرمائی تھی۔

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ایک شخص تھے جو بعد میں صحابی ہوگئے۔ ان کا نام تھا رکانہ۔ پڑھے لکھے تو کچھ نہیں تھے لیکن پہلوانی کرتے تھے، کشتی لڑتے تھے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ میں تو پڑھا لکھا نہیں ہوں، میں نہیں جانتا کہ معجزے کیسے ہوتے ہیں اور کرامت کیا ہوتی ہیں؟ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ کشتی میں کون کس کو پچھاڑ دیتا ہے۔ میری نظر میں تو جو پچھاڑ دے وہ غالب اور جو پچھڑ جائے وہ مغلوب ہے اس لئے یا رسول اللہ ﷺ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے کشتی لڑلیں، اگر آپ مجھے پچھاڑ دیں گے تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔ (۲) حضور اکرم ﷺ نے منظور فرمالیا۔ ممکن ہے کہ یہاں آپ لوگ یہ سمجھیں کہ بھائی یہ بات تو سنجیدگی کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ نہیں، یہ سنجیدگی کے خلاف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس واقعہ کے ذریعہ یہ سبق دینا مقصود ہے کہ جس ذات کو اللہ تعالیٰ نبوت عطا فرماتے ہیں۔ جس ذات کو اللہ تعالیٰ رسالت عطا فرماتے ہیں اس ذات میں جہاں اور صلاحیتیں سب سے زیادہ

---

(۱) بخاری شریف [illegible] مسلم [illegible] مسند احمد [illegible] (۲) ترمذی شریف

ہوتی ہیں دنیا میں وہ جسمانی طاقت کے لحاظ سے بھی سب پر فائق ہوتا ہے۔

چنانچہ حضور اکرم ﷺ اور حضرت رکانہ کے درمیان کشتی ہوئی اور تھوڑی ہی دیر میں حضرت رکانہ نیچے ہو گئے اور حضور اکرم ﷺ ان کے اوپر ہو گئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ پچھاڑنے کی وجہ سے حضرت رکانہ غمزدہ نہیں ہوئے بلکہ انہیں اس بات کی خوشی ہوئی کہ کہاں میری قسمت آج میرے جسم سے سرکار دو عالم ﷺ کا جسم اطہر لگ گیا ہے۔ اور حضرت رکانہ خوش ہو کر حضور اکرم ﷺ پر ایمان لے آئے۔

بے نفسی کی ایک اور مثال

اندازہ لگائیے کہ حضور اکرم ﷺ کے جسم مبارک میں کتنی طاقت ہوگی اور جب آپ کے جسم میں اتنی قوت و طاقت تھی تو میرے دوستو! کیا یہ عجیب نہیں ہے کہ جب آپ اپنا پہلا نکاح کرتے ہیں تو اس خاتون سے کرتے ہیں جو عمر میں آپ سے پندرہ سال بڑی ہیں اور دو شوہروں سے بیوہ ہیں اور ان کے دونوں شوہروں سے اولاد بھی ہے؟ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ نکاح کے وقت حضور اکرم ﷺ کی عمر پچیس سال تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی بات غور کرنے کی ہے۔ کیونکہ عورت کیلئے چالیس سال کی عمر تو وہ عمر ہے کہ اگر آج کسی بڑے سے بڑے متقی سے یہ کہا جائے کہ جی! وہ فلاں خاتون ہیں تو کنواری باقی ان کی عمر چالیس سال کی ہے کیا آپ ان سے شادی کریں گے؟ تو وہ بھی غور کرکے گا اور بہاں میں نہیں کرتا جبکہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت نکاح فرمایا جب آپ کی عمر پچیس سال تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی اور دو شوہروں سے بیوہ بھی تھیں۔

میرے دوستو! کیا بے نفسی کی یہ مثال اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے کوئی قائم کر کے بتا سکتا ہے؟ (معذرت کہ یہ تقریر کیسٹ میں ہمیں مکمل نہیں ملی ادھوری ہی ملی جس کی بنا پر یہ تقریر پیش کرنے پر معذرت خواہ ہیں)

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون

وسلام علی المرسلین

والحمد للہ رب العالمین۔

برحمتک یا ارحم الراحمین۔

سالِ نَو کا پیغام

سال نو کا پیغام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

أَمَّا بَعْدُ. فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾ سورۃ الانفال

صدق اللّٰه مولانا العظیم وصدق رسوله النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من الشاهدین والشاکرین والحمد للّٰه رب العالمین.

ابتدائیہ | بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! آج جس نئے مہینے میں ہم اور آپ موجود ہیں اس مہینے کو اسلامی جنتری میں محرم الحرام کے نام کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس مہینے سے ہمارا سال، ہماری جنتری اور ہمارا سن تبدیل ہو جاتا ہے۔ اگر آپ محرم سے پہلے سن ۱۴۰۴ھ میں تھے تو اب اس محرم کی پہلی تاریخ سے آپ ۱۴۰۵ھ میں داخل ہو گئے۔ یہ مہینہ اور اس مہینے سے شروع ہونے والا سنہ اور سال اسلام کی تاریخ کے ایک اہم واقعہ سے متعلق ہے۔ کبھی کبھی اس کو دہرا لینا چاہئے اور یاد کر لینا چاہئے۔

ماہ محرم سے اسلامی سنہ کے آغاز کا نکتہ | دوسرے لفظوں میں اسے یوں کہئے کہ جب کوئی قوم اپنی تاریخ شروع کرتی ہے تو اس کا مقصد بھی دراصل یہی ہوتا ہے کہ جب جب یہ سال تبدیل ہوگا یہ واقعہ نگاہوں کے سامنے آتا رہے گا اور اس واقعہ کی یاد تازہ ہوتی رہے گی۔ تاریخ کا مقصد یہی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ لفظ تاریخ عربی لفظ ہے اور

یہ ارخ سے بنا ہوا ہے۔ ارخ کے معنی آتے ہیں، کسی عمل اور کسی فعل کی اہمیت کی وجہ سے اس عمل اور فعل کے وقت کو متعین کر دینا۔ مثلاً طوفان نوح آیا، کس دن آیا؟ کس تاریخ میں آیا؟ جب آپ اس دن اور تاریخ کو مقرر اور متعین کر دیتے ہیں تو اسی کا نام تاریخ ہے۔

تمام قوموں نے اپنے سنہ کا آغاز کسی اہم واقعہ سے کیا ہے

یہی وجہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جب طوفان آیا تو اس دور میں یہ سب سے اہم واقعہ تھا اس لئے لوگوں نے طوفانِ نوح سے تاریخ لکھنا شروع کر دیا۔ ان کا مقصد اس سے یہ تھا کہ اگلے سال آج ہی کے دن جب یہ سال تبدیل ہو گا تو پھر ہمارے لئے طوفانِ نوح کا یہ واقعہ تازہ ہو جائے گا۔ پھر دو سال کے بعد تازہ ہو گا پھر تین سال کے بعد تازہ ہو گا اسی طریقہ سے جب تک یہ سنہ لکھا جائے گا یہ واقعہ تازہ ہوتا رہے گا۔

دنیا کی مختلف قوموں نے اپنا سنہ اور اپنی تاریخ مقرر کرنے کیلئے اپنے اپنے مذاق کے مطابق واقعات کو منتخب کیا ہے۔ بعض لوگوں نے یہ دیکھا کہ ہم زمیندار ہیں اور زمین کی پیداوار سے ہمارا کاروبار چلتا ہے، ہماری زندگی چلتی ہے تو انہوں نے فصلی تاریخیں لکھنی شروع کیں۔ یعنی جب موسم آتا ہے یا تبدیل ہوتا ہے وہاں سے اپنا سنہ اور سال لکھتے ہیں اور اسکو سنہ فصلی کہتے ہیں۔ جیسے بعض جنتریوں کے اندر آپ نے دیکھا ہو گا کہ جہاں اس میں عیسوی تاریخیں لکھی ہوتی ہیں، اسلامی تاریخیں لکھی ہوتی ہیں وہیں ساتھ ساتھ فصلی تاریخیں بھی لکھی ہوتی ہیں۔

بعض قوموں نے اپنے بادشاہ کی تخت نشینی اور تاج پوشی کی رسم کی ادائیگی کے واقعہ کو اہم سمجھا چنانچہ انہوں نے وہیں سے اپنے سنہ کو لکھنا شروع کیا اور اسی واقعہ کو مبدء تاریخ بنایا۔ اس سنہ کو سنہ جلوس کہتے ہیں۔ سنہ جلوس کے معنی ہیں تخت نشینی کا سال، تو اس واقعہ کو یادگار بنانے کیلئے تاریخ کو وہیں سے شروع کر دیتے ہیں۔

یہ دوسرا سال ہے، یہ تیسرا سال ہے۔

اسی طریقہ سے مختلف طور پر لوگ سنہ لکھا کرتے تھے۔ کیونکہ ابھی یہ طے نہیں ہوا تھا کہ مسلمان بحیثیت مسلم قوم کے کونسا سنہ اور کونسا طریقہ تاریخ اختیار کریں۔

چنانچہ اس تحریر کے متعلق شبہ پیدا ہو گئی کہ اس کے اندر لکھی ہوئی چیز کی ادائیگی سال گذشتہ کے شعبان میں ہو گئی ہے یا آئندہ سال کا جو شعبان آنے والا ہے اس میں اس کی ادائیگی ہوگی۔ اس لئے کہ اس میں سنہ نہیں لکھا ہوا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور یہ مشورہ کیا کہ ہمیں بھی کوئی ایک سنہ اپنانا چاہئے جسے ہم اسلامی سنہ کہیں۔

سنہ ہجری کی وجہ ترجیح

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے۔ ایک صحابی نے مشورہ دیا کہ اسلامی سنہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور آپ کی ولادت سے شروع کیا جائے۔ بعض لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ ہمیں سنہ نبوی اختیار کرنا چاہئے۔ یعنی جب سے اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز کیا ہے اس وقت سے اسلامی تاریخ کا آغاز کرنا چاہئے۔ بعض لوگوں نے یہ رائے دی کہ ہمیں عام الفیل کو اختیار کرنا چاہئے، اور بعضوں نے کچھ اور رائے دی۔

جن لوگوں نے یہ رائے دی تھی کہ اپنا سنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے شروع کرنی چاہئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ جواب دیا کہ ہم سنہ ولادت کو اختیار نہیں کر سکتے کیونکہ نصاریٰ اپنا سنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے شروع کرتے ہیں، اگر ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے اپنا سنہ لکھنا شروع کر دیں تو نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہو جائے گی۔ لہذا ہم سنہ ولادت اختیار نہیں کر سکتے۔

اس واقعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سنہ عیسوی درحقیقت پیدائش کا سنہ ہے وفات کا سنہ نہیں ہے۔ اس لئے عربی کتابوں میں اس سنہ کو سنہ میلادی لکھتے ہیں۔ میلاد کے معنی

کی پیدائش سے۔ سن میلادی کا مطلب یہ ہے کہ وہ سن جو کسی کی پیدائش سے متعلق ہے۔ سن عیسوی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے متعلق ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ کسی نے سن فصلی اختیار کیا، کسی نے سن جلوسی اختیار کیا۔ کسی نے طوفان نوح سے اپنی تاریخ کا آغاز کیا، کسی نے مکہ مکرمہ پر لشکر کشی کے واقعہ کو مبداء تاریخ بنا کر سن عام الفیل اختیار کیا۔ تو مسلمانوں کے سامنے یہ سوال پیش آیا کہ ہمیں کونسا سن اختیار کرنا چاہئے؟ ہمیں اپنی تاریخ کی ابتداء کہاں سے کرنی چاہئے؟

بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اسی وقت آپ ﷺ نے صحابہؓ کو یہ حکم دے دیا تھا کہ تم اپنی تاریخ اور اپنے سن کو میری ہجرت کے واقعہ سے شروع کرنا۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں یہ بات واضح اور صاف نہیں تھی، اسی لئے کوئی ایک سن لکھ رہا تھا کوئی دوسرا سن لکھ رہا تھا اور کوئی تیسرا سن لکھ رہا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا سن بھی چھٹی صدی لکھا جا رہا ہے اس لئے کہ تقریباً پونے چھ سو سال کا عرصہ گذر رہا تھا کہ حضور اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے، تو چھٹی صدی عیسوی میں حضور اکرم ﷺ کی ولادت اور آپ ﷺ کی پیدائش ہوئی، بعض لوگوں نے تو مہینہ کا نام، تاریخ اور سن بھی لکھا ہے جو اس وقت مجھے یاد نہیں ہے لیکن یہ کہ وہ چھٹی صدی عیسوی ہے۔

تو حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں یہ بات صاف نہیں تھی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم اپنا سن حضور ﷺ کی تاریخ ولادت سے اس لئے نہیں شروع کر سکتے کہ نصاریٰ کے ساتھ تشبہ ہوگا، اور تاریخ نبوی کو بھی مبداء تاریخ اسلامی قرار دینا مناسب نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایک طرف حضور اکرم ﷺ کو نبوت ملی تو دوسری طرف مسلمانوں کے اوپر تکلیف اور مصیبتوں کا دور شروع ہو گیا، کیونکہ اسلام کو قبول کرنا تھا کہ مسلمانوں کے اوپر تکالیف ہی تکالیف،

مصیبتیں ہی مصیبتیں ڈھائی گئیں۔ چنانچہ مسلمانوں کیلئے مکہ کی تیرہ سالہ زندگی کا زمانہ بڑا سخت اور بڑا شدید زمانہ تھا۔ لہذا حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ اس واقعہ (نبوت) کو بھی یادگار نہیں بنانا چاہئے۔ پھر کس واقعہ کو یادگار بنانا چاہیے؟

فرمایا کہ اس واقعہ کو یادگار بنانا چاہئے کہ جہاں سے مسلمانوں کا عروج اور مسلمانوں کی سر بلندی شروع ہوتی ہے۔ اور مسلمانوں کے عروج اور سر بلندی کا دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب سے سرکار دو عالم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرماکر مدینہ منورہ تشریف لائے۔ چنانچہ اسی واقعہ کو مبداء تاریخ اسلامی بنایا گیا اور اس سن کا نام سنہ ہجری قرار پایا۔ اور آج اس سن کا ۱۴۱۹ واں سال ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ آج اس واقعہ کو ۱۴۱۹ سال اور کچھ دن گذرے ہیں جب حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرماکر مدینہ منورہ تشریف لائے۔ جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ مسلمانو! جب محرم کا چاند نکلا کرے تو ہجرت کے اس خونیں داستان کو یاد کر لیا کرو کہ جب تمہارے آباء و اجداد مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لائے تھے۔

اسی لئے میں بعض دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ جب چاند نکلتا ہے تو وہ باتیں بھی کرتا ہے خاص طور پر عید کا چاند جب نکلتا ہے تو وہ بات کرتا ہے بشرطیکہ سننے والے کے اندر اس کے سمجھنے کی قوت اور صلاحیت موجود ہو۔ ایک عاشق جب عید کا چاند دیکھتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ یہ چاند جو نکل رہا ہے دراصل یہ میرا مذاق اڑا رہا ہے کہ تو عید کا چاند دیکھ رہا ہے لیکن ایسے موقع پر بھی تیرا محبوب تیرے پاس نہیں ہے۔ یعنی وہ میری جدائی کا مذاق اڑا رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ؎

بلالِ عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے
پیام عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے

درحقیقت عید کا چاند کوئی مذاق نہیں اڑاتا ہے لیکن دیکھنے والا کہتا ہے کہ چاند

کو دیکھ کر مجھے سب کچھ یاد آرہا ہے۔ تو یہ خوشی کا پیغام لیکر آیا ہے جبکہ میرا محبوب میرے پاس نہیں ہے۔ میں اپنے محبوب سے جدا ہوں۔ اسی حالت میں کا خوشی کا پیغام لانا گویا میرا مذاق اڑانا ہے۔

محرم کا چاند ہجرت کی یاددہانی کرتا ہے اسی طرح سے جب محرم الحرام کا چاند نکلتا ہے تو وہ چاند مسلمانوں سے خطاب کر کے یہ کہتا ہے کہ اے مسلمانو! تم مجھے دیکھو اور ہجرۃ النبی ﷺ کا واقعہ یاد کرو۔ اس لئے کہ آج سے تمہارا سن اور سال تبدیل ہو رہا ہے۔ آج سے تمہاری جنتری تبدیل ہو رہی ہے۔ اور صرف یہی نہیں کہ ہجرت کے واقعہ کو یاد رکھا جائے بلکہ ان تکلیفوں کو بھی یاد رکھنا چاہئے جو تکلیفیں آپ ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ نے مکہ میں اٹھائیں اور جب ان تکلیفوں کی وجہ سے مکہ کے اندر زندگی دشوار ہو گئی تو حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ کو یہ اجازت دے دی کہ آپ لوگ ترک وطن کر کے چلے جائیں۔ لیکن کہاں جائیں؟

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کو تین مقامات دکھلائے گئے۔ سب سے پہلے مدینہ منورہ کا علاقہ دکھلایا گیا، اگرچہ اس وقت اس علاقہ کا نام مدینہ منورہ نہیں تھا۔ حدیث میں جو لفظ ہے وہ یہ ہے کہ ایسا مقام دکھلایا گیا جہاں کھجوروں کے درخت تھے، دوسرا علاقہ غالباً بحرین کا علاقہ تھا اور تیسرا ایک اور علاقہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ کو یہ تینوں علاقے دکھلائے گئے تھے (۱) جس کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت کرنا یعنی ترک وطن کر کے دوسرے علاقوں میں چلا جانا یہ نبیوں اور پیغمبروں کی وہ سنت ہے جو تمام انبیاء کرام کو پیش آئی ہے۔

ہجرت کرنا پیغمبروں کی سنت ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ نبی اور پیغمبر ایک ایسی ذات اور ایک ایسی ہستی کا نام ہے جو کبھی باطل کے ساتھ مصالحت نہیں کرتی بلکہ

(۱) بخاری شریف باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

انبیاء کرام ﷺ ہمیشہ حق کی آواز کو بلند کرتے ہیں جس کے نتیجے میں ان کو اپنے عزیزوں کو چھوڑنا پڑتا ہے اپنے وطن کو چھوڑنا پڑتا ہے اور جہاں ان کی آواز قبول کئے جانے کے امکانات ہوتے ہیں وہاں ان کو جانا پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو ہجرت کیلئے تین مقامات دکھلائے گئے چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہؓ کو یہ اجازت دے دی کہ آپ ترک وطن کر کے جاسکتے ہیں۔ ادھر مدینہ منورہ کا یہ حال ہے کہ یہ یہودیوں کی بستی ہے۔ ہجرت سے گیارہ برس پہلے منیٰ میں حضور ﷺ کے پاس وہاں سے کچھ یہودی آئے اور اسلام قبول کئے پھر مدینہ منورہ چلے گئے۔ اس واقعہ سے نبوت کے گیارہویں سال میں مدینہ کے اندر اسلام کی ابتداء ہو چکی تھی۔

حضور ﷺ کی بعثت کے وقت آسمانی کتابیں

کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو حضور اکرم ﷺ کی شہرت کو تو سنتے تھے لیکن اب تک انہوں نے کبھی آپ ﷺ سے ملاقات نہیں کی تھی۔ انہی میں سے یہود کے ایک بڑے زبردست عالم ہیں، جن کا نام "عبداللہ ابن سلام" ہے۔ احبار یہود میں یہ بڑے زبردست پایہ کے عالم ہیں۔ [1] یہاں ایک بات میں آپ حضرات سے یہ بھی عرض کردوں کہ جب حضور اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی ہے جب آپ ﷺ تشریف لائے ہیں اس وقت اہل کتاب میں سے "زبور" کے ماننے والے دنیا میں موجود نہیں تھے "زبور" بھی آسمانی کتابوں میں سے ایک کتاب ہے۔ بعثت نبوی کے وقت اس کے ماننے والے صفحہ ہستی پر موجود نہیں تھے۔ اہل کتاب میں سے صرف دو رہ گئے تھے۔ ایک توریت کو ماننے والے، دوسرے انجیل کو ماننے والے، توریت کو ماننے والے یہودی ہیں اور انجیل کو ماننے والے نصاریٰ ہیں۔ یہ دونوں کے دونوں آسمانی کتاب اور آسمانی نبی و پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسی لئے یہ دونوں اہل کتاب کہلاتے ہیں۔

---

[1] بخاری شریف باب مناقب عبداللہ بن سلام [illegible]

مسلمانوں کے علاوہ سب پر کافر کا اطلاق ہوگا | جب حضور اکرم ﷺ تشریف لائے ہیں اس وقت یہود ونصاریٰ کی یہ دونوں جماعتیں موجود تھیں، یہ لوگ حضور ﷺ کے اوپر ایمان نہیں لاتے، اس لئے یہ دونوں کے دونوں گمراہ ہیں اور اہل کتاب میں سے ہونے کے باوجود کافر ہیں۔ اور کافر کا لفظ ایسا ہے کہ اس کا اطلاق دونوں اہل کتاب یہود ونصاریٰ پر بھی ہوتا ہے اور مشرکین پر بھی ہوتا ہے۔ تینوں پر یہ لفظ بول دیا جاتا ہے۔ تو "الَّذِينَ كَفَرُوا" جب کہا جاتا ہے تو مشرکین بھی، یہود بھی، نصاریٰ بھی، سب کے سب مراد ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ جس نے نبی آخر الزماں پر ایمان لانے سے انکار کردیا تو چاہے وہ اہل کتاب میں سے ہو چاہے وہ مشرکین میں سے ہو وہ کافر کہلائے گا۔

تو میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت یہ دونوں جماعتیں موجود ہیں مگر ان دونوں میں بڑا فرق ہے، فرق یہ ہے کہ نصاریٰ کے پاس نہ علم تھا اور نہ ان کے پاس کوئی عالم موجود تھے۔ صحیح بات بتانے والا کوئی موجود نہیں تھا، ان کی حالت اس آدمی کی طرح ہوگئی تھی جو جنگل میں بھٹکتا پھرتا ہے جس کو راہ بتانے والا کوئی نہیں ہے، وہ اصل راستہ کا جاننے والا ہی کوئی نہیں ہے تو راستہ بتائے کیسے؟

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

نصاریٰ ضالاں اور یہودی مغضوب قوم ہے | ان کے پاس نہ علم تھا نہ کوئی عالم تھا جس کی وجہ سے ان کو دین کا صحیح علم نہیں تھا، اسی لئے قرآن کریم نے ان کو "ضالین" کہا ہے۔ ضَآلِّينَ کے معنی ہیں راستے سے بھٹکے ہوئے، وہ لوگ جنکو راستہ کا پتہ نہیں ہے، جنکو منزل کا پتہ بھی نہیں ہے۔ لیکن یہودی کی حیثیت یہ تھی کہ ان کے اندر صحیح معنی میں علم بھی موجود تھا، علماء بھی موجود تھے، ان کو صحیح راستہ بتانے والے بھی موجود تھے۔ لیکن ان کے علماء کی اکثریت ایسی تھی کہ وہ تھوڑے بدلے کے عوض معمولی

سے معمولی اور حقیر معاوضہ کے بدلے میں اللہ کے احکام کو بیچ دیا کرتے تھے، حالانکہ وہ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ہم جو کام کر رہے ہیں وہ ہمارے دین کے اعتبار سے بالکل غلط ہے۔ یہ یہود کی حالت تھی۔

اب اگر کسی کو یہی پتہ نہ ہو کہ ہم جس راستہ پر جا رہے ہیں وہ جہنم کا راستہ ہے لیکن تیزی سے چلا جا رہا ہے۔ تو اللہ کے یہاں وہ پھر بھی کسی نہ کسی درجہ میں معذور ہے، اس لئے کہ اس کو منزل کا پتہ ہی نہیں ہے، اس کو کوئی راستہ بتانے والا ہی نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کو یہ معلوم ہے کہ جس راستہ پر ہم جا رہے ہیں وہ جہنم کا راستہ ہے، جنت کا راستہ نہیں ہے اس کے باوجود لالچ کی وجہ سے ادھر چلا جا رہا ہے تو اللہ کی نظروں میں وہ سب سے زیادہ غضب الٰہی کا مستحق ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہود کے متعلق کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے غضب کے مستحق ہوئے، اور نصاریٰ کے متعلق یہ کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو صحیح راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ:

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ
الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

"ان لوگوں کے راستے سے تو ہم کو بچائے رکھ جن پر تیرا غضب نازل ہوا ہے" وہ کون لوگ ہیں؟ وہ یہود ہیں، قرآن کریم میں ایک اور جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ لوگ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے فرمایا کہ:

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُو بِغَضَبٍ مِّنَ
اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ
النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝٦١

یہ لوگ گناہ کرتے کرتے حد سے تجاوز کرنے لگے، نبیوں کو قتل کرنے لگے اور اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے لگے، جس کی وجہ سے یہ لوگ خدا کے غضب کے مستحق ہو گئے

اور اللہ نے ان کے اوپر غضب نازل کیا جس سے بے وقاری اور ذلت ان کے اوپر مسلط کر دی۔

اور جیسا کہ میں نے عرض کیا یہود کے پاس علم بھی تھے لیکن وہ دین فروش اور ضمیر فروش تھے۔ اسی طرح اسلام میں بھی ایسے ایسے زمانے اور ایسے ایسے دور آئے ہیں کہ جن میں بعض لوگوں نے جان بوجھ کر دیدہ و دانستہ دین اسلام کو بیچنے کی کوشش کی ہے لیکن ہر دور میں اللہ کے ایسے ایسے حق گو بندے بھی موجود تھے اور قیامت تک موجود رہیں گے جنکی بدولت اللہ نے دین اسلام کو بچایا اور اسکی حفاظت کی۔

اکبر کا دین الٰہی علمائے سوء کا دین تھا | اکبر کے زمانے میں جن لوگوں نے دین الٰہی کا ایجاد کیا، اور اکبر کیلئے ایک نیا دین بنایا یہ وہی لوگ تھے جو اس کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے۔ ان میں بعض بڑے بڑے ذی علم علماء بھی تھے۔ ایک شخص تھا جسکا نام ملا مبارک ناگوری ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ فن حدیث کا بڑا زبردست عالم تھا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور اس عالم کے درمیان صرف دو واسطے ہیں۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ علم حدیث کے بہت بڑے امام ہیں۔ اب آپ اندازہ لگایئے کہ جو صرف دو واسطوں سے اتنے بڑے امام کا شاگرد ہو اسکا علمی مقام کتنا اونچا ہوگا! لیکن باوجود اس کے کہ یہ اتنا بڑا عالم ہے اور آگرہ کے اندر ایک بہت بڑی یونیورسٹی (UNIVERSITY) قائم کیا تھا مگر اس کے اندر خوف خدا اور خشیت الٰہی نہیں تھی۔ اس نے اپنے علم سے اسلام اور مسلمانوں کو یہ نقصان پہنچایا کہ اکبر کے اشارہ پر قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔ اور اس تفسیر کے اندر وہ اللہ کے منشاء کو نہیں لکھتا تھا، اکبر بادشاہ کے منشاء کو لکھتا تھا۔ جس کی وجہ سے لوگوں کی نظروں میں اس کا مقام یہ تھا کہ ملا مبارک ناگوری دین الٰہی قائم کر کے برباد ہو گیا۔

اکبر کے دور میں علماء حق | ملا مبارک ناگوری کے شاگردوں میں سے ملا عبد القادر

بدایونی ایک بڑے عالم ہیں۔ بدایوں کے رہنے والے ہیں اور بدایوں میں کچھ خاندان دورِ قدیم سے بڑے ذی علم خاندان چلے آتے ہیں۔ ملا عبد القادر بدایونی انھیں میں سے ایک خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ملا مبارک ناگوری کے شاگرد ہونے کے باوجود جب انھوں نے مستقل مخالفت کی تو کہہ گئے کہ ہمارا استاذ جو ہے وہ دین فروش ہے، ضمیر فروش ہے۔ انھوں نے تاریخ کی ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں جب اپنے استاذ کا تذکرہ کیا ہے تو انتہائی بڑے اور سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ:

تو اے مردِ کہن پیشہ ز بہرِ چند سکِ دوں
ز دینِ حق جدا ماندی بہ تیر دستِ کہن دانی

ملا عبد القادر اپنے استاذ کو کہتا ہے کہ تو مردِ کہن پیشہ ہے۔ تیرا پیشہ اور تیرا کام یہی بنانا ہے۔ تھوڑے سے مفاد کے خاطر تو نے اللہ کے دین سے منہ موڑ لیا ہے۔ تھوڑے سے فائدے کے خاطر اللہ کے دین کو چھوڑ کر بالکل باطل کی طرف تو چلا گیا ہے۔

چہ سستی دیدی از سنت کہ رفتی سوئے بے دیناں
چہ تقصیر آمدہ قرآن کہ کردی گردِ ایمانی

اے ملا مبارک ناگوری! تجھے قرآن و سنت میں کیا خامی نظر آئی ہے کہ تو بے دینوں کی طرف چلا گیا؟ تو نے اپنا مذہب بدل لیا اور تجھ کو بے دین بنا دیا ہے؟ دنیا کے محدود فائدے کیلئے تو نے دین کی صورت بگاڑ کر رکھ دی ہے۔

میرے دوستو! تاریخ کے ہر دور میں کچھ لوگ ایسے رہے ہیں جنہوں نے اسلام کی شکل کو بگاڑنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ کہ اس کی آب و تاب میں آج تک کوئی فرق نہیں آیا ہے اور آئندہ بھی نہیں آئے گا۔ آجکل جو لوگ دین کو بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں انھیں بھی یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے بگاڑنے سے دین کا کچھ نہیں بگڑے گا البتہ ہم خود بگڑ جائیں گے۔

اسلامی قانون میں تبدیلی ناممکن ہے! ایک مرتبہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ انجمن حمایت الاسلام لاہور کے جلسہ میں تشریف لے گئے، مولانا نے لکھا ہے کہ جب میں لاہور پہنچا تو میرے پاس چند تعلیم یافتہ حضرات آئے جن میں کچھ بیرسٹر (BARRISTER) اور وکیل بھی تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ مولانا صاحب! آپ کب تک لکیر کے فقیر بنے رہیں گے؟ دیکھئے ہماری ہمسایہ ہندو قوم سود کے ذریعہ ترقی کر کے کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے اور آپ لوگ اب تک سود کو حرام قرار دے رہے ہیں؟ دیکھئے ہم آپ کے پاس ایک تحریر لائے ہیں جس میں سود کو حلال قرار دیا گیا ہے، آپ بھی اس پر دستخط کر کے سود کو حلال قرار دیں۔ مولانا نے فرمایا کہ میں آج رات کے جلسہ میں اس موضوع پر تقریر کروں گا لیکن ان کو اعتماد کرنا تو تھا نہیں، دراصل ہر دور میں ایک جماعت ہوتی ہے جو ہر وقت علماء کو اغوا کرنے کیلئے سرگرم رہتی ہے، اور یہ جماعت علماء کو اغوا کرنے میں ابلیس اور شیطان سے بھی زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب ابلیس بہکاتا ہے تو علماء یہ پہچان لیتے ہیں کہ یہ جو مجھے بہکا رہا ہے یہ ابلیس اور شیطان ہے۔ لیکن بعض اوقات ایک مہذب انسان کی شکل میں وہ اغوا کرنے کیلئے آتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کبھی ابلیس سے دھوکہ نہیں کھاتے وہ بھی ان مہذب شکل انسانوں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

بہرحال وہ لوگ آئے اور مسلمانوں کی بدحالی کا انہوں نے ایسا نقشہ کھینچا کہ مسلمان سود سے بچ کر صرف اس کے سبب غربت میں مبتلا ہو گئے جبکہ ہماری ہمسایہ قوم سود کے ذریعہ ترقی کر کے کہیں سے کہیں چلی گئی اور آپ ابھی تک بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھے ہوئے ہیں اور سود کو حرام قرار دے رہے ہیں۔

مولانا نے فرمایا کہ وکیل صاحب! میری ایک بات سن لیجئے، وہ یہ کہ اگر میں آپ کے کہنے کے مطابق اس تحریر پر دستخط کر دیتا ہوں تو کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ

اشرف علی کے دستخط کرنے سے سود حلال ہو جائے گا؟ اگر آپ کو یہ یقین ہے کہ
اشرف علی کے دستخط کر دینے سے سود حلال ہو جائے گا تو آپ کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ
ایسے ایک لاکھ سے بھی زیادہ آدمی اب تک پیدا ہو چکے ہیں جنہوں نے اپنے اپنے زمانے
میں اللہ کے دین کو بدلنے کی کوشش کی مگر دین تو اپنی جگہ باقی رہا وہ لوگ خود بدل گئے۔
فرمایا کہ اگر آپ کے کہنے کے مطابق میں دستخط کر دوں گا تو میں آپ کو یقین دلانا چاہتا
ہوں کہ اگر اشرف علی مجرم کے سامنے ہونے پر یا حلال کے مجرم ہونے پر دستخط کر بھی
دے گا تو حلال اپنی جگہ اور حرام اپنی جگہ رہے گا لیکن اشرف علی اپنی جگہ پر باقی
نہیں رہے گا۔ تو چونکہ یہ اسلام کا دستور ہے کہ وہ کبھی نہیں بدلتا لیکن اس کے بدلنے
والے خود بدل جاتے ہیں۔ لہذا آپ جو سوچ رہے ہیں اس کو بھول جائیے۔

تو بھائی میرے عرض کرنے کا منشا یہ ہے کہ اسلام کے اندر ایسے ایسے زمانے
بھی گذرے ہیں کہ جس میں دین کے اندر رد و بدل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن
وہیں اللہ کے سچے بندے بھی ایسے رہے ہیں جنہوں نے اللہ کے دین کی حفاظت کی ہے۔

قاضی شریح کا واقعہ | خلفائے بنو عباس کے زمانے میں ایک بڑے پایہ کے عالم
گذرے ہیں ان کا نام قاضی شریح تھا۔ یہ وہ قاضی شریح نہیں ہیں جن کے پاس حضرت
علیؓ کے زرہ کا مقدمہ پہنچا تھا وہ دوسرے قاضی تھے۔ یہ ایک بڑے عالم ہیں۔ اور جس
طرح دوسرے بہت سے علماء غرقاب کر دیئے گئے۔ تباہ و برباد کر دیئے گئے وہی حال ان کا
بھی ہوا۔ لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو بچانے کی بہت کوشش کی اور ہمیشہ اسی
فکر میں رہتے تھے کہ کہیں مجھے خراب نہ کر دیا جائے۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی
نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی پر جو کتاب لکھی ہے اس میں یہ واقعہ لکھا ہے
کہ ایک مرتبہ قاضی شریح کے پاس خلیفہ وقت کا دعوت نامہ آیا اس میں خلیفہ نے یہ
لکھا تھا کہ دو باتوں میں سے ایک بات آپ کو قبول کرنی پڑے گی یا تو آپ میرے

بچوں کو تعلیم دینے "معلم الصبیان" کا عہدہ قبول کر لیں۔ اور اگر آپ اس کیلئے تیار نہیں ہیں تو کم از کم ایک سرکاری دعوت قبول کر لیں۔ تم نے سرکاری دعوت کی۔ سرکاری دعوت نہیں کی؟ اس لئے کہ سرکاری دعوت میں اتنے انتظامات ہوتے تھے اور اعلیٰ اور بہترین طریقے پر کھلایا جاتا تھا کہ ایک دفعہ کوئی کھانے کے بعد پھر دوبارہ واپس آنے کی خواہش کرے۔ تو قاضی شریح سے کہا گیا کہ یا تو آپ معلم الصبیان کا عہدہ قبول کر لیجئے یا سرکاری دعوت قبول کر لیجئے۔ انہوں نے سوچا کہ معلم الصبیان کا عہدہ قبول کرنا اور اس کیلئے روز روز خلیفہ کے گھر جانا بڑا مشکل ہو جائے گا لہٰذا چلو ایک مرتبہ اس دعوت کو قبول کر لو۔ آخر دن میں ایک مرتبہ بہت اچھا ہی تو جاتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے خلیفہ کو یہ جواب لکھ دیا کہ مجھے معلم الصبیان کا عہدہ منظور نہیں۔ ہاں البتہ ایک وقت کی سرکاری دعوت منظور ہے۔ چنانچہ خلیفہ نے دعوت کے انتظامات کا حکم دے دیا۔ بڑے اعلیٰ پیمانے پر انتظامات ہوئے۔ اور لکھا ہے کہ جس وقت قاضی شریح دعوت کھا کر باہر نکلے تو خلیفہ نے داروغہ مطبخ سے پوچھا کہ کھانا کیسا پکا؟ باورچی نے چپکے سے خلیفہ کے کان میں یہ بات کہی کہ آپ بے فکر رہئے میں نے کھانا ایسا پکایا ہے کہ وہ بچ کر نہیں جا سکتے۔ یہ لکھا ہے کہ جب انہوں نے دعوت کھائی تو پتہ نہیں اس دعوت کے اندر کیا ملا دیا گیا تھا کہ آگے چل کر معلم الصبیان کا عہدہ بھی قبول کر لیا۔

اب وہ خلیفہ کے بچوں کو پڑھانے کیلئے ان کے گھر جانے لگے۔ ایک مرتبہ خلیفہ نے ان کو ایک پرچہ لکھ کر دیا جسکو آپ ہنڈی کہئے یا چیک (CHEQUE) کہئے۔ دراصل اس زمانے میں بینکنگ (BANKING) کے یہ طریقے رائج نہیں تھے جو آج کل ہیں۔ اس زمانہ میں نیشنل بینک (NATIONAL BANK) کی ایک بلڈنگ (BUILDING) ہوتی ہے۔ آپ وہاں چیک (CHEQUE) لیکر جاتے ہیں کہ صاحب! یہ سرکاری چیک ہے اسے بھنا دیجئے۔

اُس زمانے میں یہ طریقہ ہوتا تھا کہ علاقے تقسیم ہو جاتے تھے اور کسی بڑے دولت مند کو اسکا ٹھیکیدار بنا دیا جاتا تھا۔ بعض اوقات ان میں یہودی بھی ہوتے تھے۔ ان ٹھیکیداروں کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے اپنے علاقے سے وصولیابی بھی کرتے تھے اور اخراجات بھی کرتے تھے اور حساب و کتاب بھی رکھتے تھے۔ اور جب کبھی خلیفہ کوئی پرچہ لکھ کر کسی کو بھیجتا تو اسے بھی دے دیا کرتے تھے۔

تو خلیفہ نے قاضی شریح کو ایک پرچہ لکھ کر دیا جس میں یہ لکھا تھا کہ قاضی شریح کو ہمارے طرف سے دس ہزار درہم دے دیا جائے۔ قاضی شریح کہتے ہیں کہ جب میں پرچہ لیکر گیا تو پتہ چلا کہ جس آدمی کے نام پرچہ لکھا تھا وہ یہودی ہے۔ جب اس نے پرچہ پڑھا تو پھر وہ میری شکل کو دیکھتا تھا اور پرچہ کو دیکھتا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ کہنے لگا۔

"هَلْ بِعْتَ خَزًّا؟"

ارے! اتنی بڑی رقم لکھوا کر لایا ہے۔ سچ سچ بتانا۔ کیا تو نے ریشم بیچا تھا؟ کس چیز کی ہے اتنی بڑی قیمت؟ قاضی شریح کہتے ہیں کہ مجھے بڑی شرم آئی۔ میں نے اسکو یہ جواب دیا کہ جناب! ریشم نہیں بیچا تھا۔ ریشم سے زیادہ قیمتی چیز اپنا دین اور ایمان بیچا تھا جسکی قیمت میں وصول کرنے آیا ہوں۔

ہر دور میں علمائے حق نے دین کی پاسبانی کی ہے میرے دوستو! ہر دور میں ایسے لوگ رہے ہیں جنکا کام علماء کو اغوا کر کے اپنا مقصد پورا کرنا ہوتا تھا لیکن اس کے باوجود ہر زمانہ میں اللہ کے ایسے بندے بھی رہے ہیں جو دین کی حفاظت کی خاطر خلیفہ وقت سے ٹکر لینے سے بھی گریز نہیں تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو پھنسانے کیلئے ہر قسم کے جال ان کے اوپر ڈال دیے گئے۔ ان کو بہکانے کیلئے طرح طرح کی کوششیں کی گئیں لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ حق کے اوپر قائم رہے اور حق بات کہتے رہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی وجہ سے ہزاروں علماء کو بھی جو انہی کے پیچھے پیچھے ہوتے تھے کہ ابو حنیفہ

جو پہلے کہہ رہے تھے وہ حق ہے صاحب کا وقت بدل گیا۔ لیکن حقیقت نہیں بدلی۔

امام ابوحنیفہؒ کی جراءت ایک مرتبہ خلیفۂ وقت نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ یہ ایک دستاویز ہے اس کے اوپر آپ دستخط کر دیں۔ یہ اس کے زمانہ کی دستاویز تھی جس میں کوئی چیز خریدی یا بیچی گئی تھی۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے پڑھا اور پڑھنے کے بعد کہا کہ میرے دستخط کرنے کے معنی ہیں کہ شہادت دیتا ہوں شہادت تو میں صرف ان چیزوں کی دے سکتا ہوں جو میرے سامنے ہوئی ہے۔ مجھے کیا معلوم کہ کس نے کس کو کیا بیچی ہے؟ یہ واقعہ میرے سامنے نہیں ہوا ہے۔ آپ یہ دستاویز میرے پاس لے آئے ہیں تو میں کیسے دستخط کر دوں جبکہ یہ واقعہ میرے سامنے نہیں ہوا ہے۔

خلیفہ بڑا ناراض ہوا اور یہ کہا کہ سب علماء نے اس دستاویز پر دستخط کئے ہیں کیا وہ عالم نہیں ہیں؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے کیسے دستخط کر دیئے بلکہ انہیں سے پوچھ لیجئے۔ چنانچہ علماء کی ایک بڑی تعداد آئی اور امام ابوحنیفہ کی موجودگی میں ان سے پوچھا گیا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دستخط سے متعلق اپنا نقطہ نظر انہیں بتایا تو وہ لوگ جواب میں یہ کہنے لگے کہ ابوحنیفہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ سچ کہہ رہے ہیں۔ ہم نے تو خلیفہ کے ڈر کر دستخط کر دیئے ہیں۔

یہود کے علماء ضمیر فروش تھے تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ احبار یہود میں سے تھے۔ یہود کے ایک بہت زبردست عالم تھے۔ یہود قوم کے پاس علم بھی تھا اور علماء بھی بڑی تعداد میں تھے مگر چونکہ وہ ضمیر فروشی کیا کرتے تھے، دین فروشی کیا کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ خدا کے غضب کا مستحق ہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ جان بوجھ کر دیدہ و دانستہ اپنے مفادات کی خاطر خدا کے احکام کو خود بھی چھوڑتے تھے اور دوسروں سے بھی چھپاتے تھے۔

عبداللہ بن سلامؓ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ جب حضور اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو بھی پتہ چلا کہ مکہ میں ایک نبی اور پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں، تو آپ کے حالات سنتے رہے اور اپنی کتاب تورات میں اسکو دیکھ کر پرکھتے رہے کہ آنے والے نبی کی کیا کیا نشانیاں اور کیا کیا علامات ہیں، پھر جب حضور ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لا رہے تھے تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے دیکھا کہ لوگ جوق در جوق مدینہ سے باہر استقبال کیلئے جا رہے ہیں، وہ بھی حضورؐ کے استقبال کیلئے مدینہ سے باہر چلے گئے اور یہ سوچ کر ایک درخت کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گئے کہ جب حضور اکرم ﷺ تشریف لائیں تو سب سے پہلے میری نظر ان پر پڑے۔ حضور اکرم ﷺ جس راستہ سے مدینہ میں داخل ہونے والے تھے وہ ایک گھاٹی تھا، گھاٹی کا مطلب یہ ہے کہ راستہ ادھر نشیب میں تھا اور نشیب سے چڑھ کر پھر مدینہ میں داخل ہونے والے تھے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ درخت کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گئے اور جیسے ہی دور سے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگے کہ خدا کی قسم! یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا، یہ اللہ کے نبی اور اللہ کے پیغمبر ہیں لہٰذا میں ان کے اوپر ایمان لاتا ہوں(۱) جسکا مطلب یہ ہے کہ یہود کے علماء کے پاس صحیح علم موجود تھا اور نصاریٰ کے پاس نہ صحیح علم تھا اور نہ علماء تھے۔

ماہ محرم سے سال کی ابتداء مدینہ کے اندر سنہ گیارہ نبوی میں دین اسلام پہنچ چکا ہے اور ہجرت سے پہلے ہی بہت سے لوگ مدینہ میں اسلام قبول کر چکے تھے، اس کے بعد سنہ ۱۳ نبوی میں ہجرت کا واقعہ ۸ ربیع الاول کو پیش آیا، بعض علماء نے لکھا ہے کہ دراصل محرم کی پہلی تاریخ سے ہی اکا دکا صحابہؓ کا مدینہ جانا شروع ہو گیا تھا، لیکن صحیح یہ ہے کہ جب یہ طے ہو گیا کہ اسلامی تاریخ کا مبداء واقعہ ہجرت کو بنایا جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوا

(۱) بخاری شریف باب مناقب عبداللہ بن سلام ۳۶۲۱/ ۔ مسند احمد ۱۲۰۲۸/

کہ ہجرت کا واقعہ چونکہ ربیع الاول کی ۸ تاریخ کو پیش آیا ہے لہذا سال اسی تاریخ سے شروع ہونا چاہئے اور ربیع الاول کو ختم ہونا چاہئے۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا کہ نہیں صاحب! تاریخ تو ہجرت کے واقعہ کو ہی بنائیں گے البتہ سال کی ابتداء محرم ہی کی تاریخ سے ہی کریں گے اس لئے کہ عرب کے اندر قمری دور اسی طرح چلا آرہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مہینوں کے بھی وہی نام رکھے گئے جو اہل عرب پہلے سے استعمال کرتے چلے آرہے ہیں۔

قمری سال کی بقا واجب ہے

اس لئے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ تمہاری عبادتیں قمری اور چاند کے حساب سے وابستہ کردی گئی ہیں۔ اسی لئے علماء نے لکھا ہے۔ تفسیر بیان القرآن اٹھا کر دیکھ لیجئے کہ چاند کی تاریخ کا نظام باقی رکھنا ہر مسلمان کے ذمہ واجب ہے اور واجب اس لئے ہے کہ ہماری دینی بہت سی عبادتیں قمری اور چاند کی تاریخ سے متعلق ہیں۔

مثلاً کسی کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہیں۔ یہ چار مہینے کونسے ہیں؟ چاند کے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کی عدت تین مہینے ہیں۔ یہ تین مہینے کون سے ہیں؟ چاند کے ہیں۔ اور فرمایا کہ ان احکام کے اندر اتنی پابندی ہے کہ اگر کسی عورت نے دو مہینے ۲۹ دن عدت طلاق گزاری اور ۹۰ویں تاریخ کو چاند نہیں ہوا اور ۹۰ویں تاریخ کو اس نے نکاح کرلیا تو فقہاء فرماتے ہیں کہ اس عورت کا نکاح جائز نہیں ہوا اس لئے کہ اس کی عدت پورے تین مہینے میں جاکر ختم ہوتی تھی لیکن اس نے آخری دن نہیں گذارا اور چونکہ آخری دن پورا کئے بغیر اس نے نکاح کرلیا لہذا اسکا نکاح صحیح نہیں ہوا۔ بہرحال حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ چونکہ ہماری بہت سی عبادتیں عرب میں رائج قمری دور اور چاند کے نظام سے متعلق کردی گئی ہے لہذا ہم چاند کا وہی نظام لیتے ہیں جو اسلام سے پہلے ہی عربوں کے درمیان رائج تھا اور اسی نظام میں سال کی ابتداء محرم الحرام سے ہوتی تھی لہذا ہمارے اسلامی سال کی ابتداء بھی

تو محرم الحرام کے پہلی تاریخ سے ہی ہوتی اور یہی دو مہینے گیارہ دن کی مدت، تو اس کسر کو نکال دیا جائے۔

ماہ محرم اور واقعہ ہجرت میرے دوستو اور بزرگو! جب محرم الحرام کا مہینہ آتا ہے تو وہ مہینہ ہجرت کے واقعہ کو یاد دلاتا ہے۔ اس لئے کہ تاریخ کا مقصد اور اس کا سب سے بڑا منشاء یہی ہوتا ہے کہ قوم کو پتہ چلے کہ ہمارے بزرگوں نے اور ہمارے آباء و اجداد نے کیا کیا کیا، اور جب قوم کو یہ پتہ چل جاتا ہے کہ انہوں نے اللہ کے دین کیلئے اپنے وطن کو چھوڑ دیا تھا، عزیز و اقارب کو چھوڑ دیئے تھے تو ان کی رگوں میں جوش پیدا ہوتا ہے کہ ہم ان بزرگوں کی اولاد میں سے ہیں جنہوں نے اللہ کے دین کیلئے یہ کیا تھا، ان میں غیرت و حمیت پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ شانہ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! اب تم مدینہ میں آگئے ہو اور اطمینان سے یہاں پر زندگی گزار رہے ہو۔ لیکن یہ بات یاد رکھنا کہ مکہ میں تم نے جو تکلیفیں اٹھائی ہیں، ان تکلیفوں کو کبھی نہ بھلانا اس لئے کہ اگر تم نے ان تکلیفوں کو بھلا دیا تو تمہارے اندر غیرت و حمیت باقی نہیں رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مکہ کی تکلیفیں یاد دلا کر فرما رہے ہیں کہ انہیں یاد رکھنا۔ یہ قوم کا سرمایہ ہے فرمایا کہ وَاذْكُرُوْٓا اس کا ترجمہ آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ یعنی یاد کرو۔ فرمایا کہ۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ

اے مسلمانو! اس وقت کو یاد کرو جب تم مکہ کے اندر تھے، تمہاری تعداد بہت تھوڑی تھی۔ مُسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تم مکہ کے سرزمین میں کمزور تھے، تمہارے پاس طاقت نہیں تھی۔ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ اور ہر وقت تمہیں یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ کہیں جان پر بن جائے۔ فَاٰوٰىكُمْ اللہ نے تمہیں ایک ٹھکانہ دے دیا یعنی تم ہجرت

کر کے مدینہ آ گئے اور تمہاری ساری تکلیفیں دور ہو گئیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اب تمہیں جان کا خطرہ بھی نہیں ہے، ذلت و حقارت بھی اب تمہارے ساتھ وابستہ نہیں رہی بلکہ اب تمہاری عظمت و شوکت قائم ہونی شروع ہو رہی ہے۔ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِ۔ اور اللہ نے اپنی مدد اور نصرت سے تمہیں مضبوط بھی بنا دیا۔ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ۔ اور اللہ تعالیٰ تمہیں کھانے کیلئے مال طیب یعنی مال حلال بھی عطا فرما رہا ہے، اور جسکو مال طیب مل جائے اس کیلئے اس سے بڑی خوش قسمتی کچھ نہیں ہو سکتی بشرطیکہ مال طیب کے معنی بھی سمجھ لیجئے۔

حلال مال کی وضاحت

مال طیب کا ایک ترجمہ ہے عمدہ یا لذیذ کھانا، عمدہ کپڑا اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو آزادی عطا فرماتے ہیں تو پھر اس کے نتیجے میں قدرتی طور پر خوشحالی اور فراغت بھی مل جاتی ہے اور پہلے سے زیادہ بہتر قسم کے کھانے ملنے لگتے ہیں، اچھے قسم کے کپڑے پہننے لگتے ہیں، اچھے قسم کے مکان استعمال کرنے لگتے ہیں۔ مال طیب کا دوسرا ترجمہ ہے حلال سے اونچا درجہ، مال حلال اس مال کو کہتے ہیں جسکو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہو اور قرآن و حدیث میں اسکی ممانعت نہ فرمائی ہو۔ جیسے آٹا، گندم، چنا، جو وغیرہ ان چیزوں کی ممانعت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں ہے اس کو حلال کہتے ہیں۔ لیکن اگر آپ کسی کے کھیت سے گندم چرا کر لے آئے تو یہ گندم (فی نفسہ) حلال تو ہے لیکن مال طیب نہیں ہے اس لئے کہ مال طیب اس مال کو کہتے ہیں جس سے کسی انسان کا حق وابستہ نہ ہو۔ اپنی جگہ یہ گندم تو بے شک حلال ہے لیکن یہ کہ یہ مال طیب نہیں ہے اس لئے کہ دوسروں کے اوپر ظلم کر کے اور دوسروں کی حق تلفی کر کے تم نے اسے حاصل کیا ہے۔

تو اگر اللہ تعالیٰ کسی کو ایسا رزق عطا فرمائے کہ جو حلال بھی ہو اور اس سے کسی انسان کی حق تلفی بھی وابستہ نہ ہو، بغیر کسی کی حق تلفی کے اللہ تعالیٰ عطا

قربانی سے تو اس سے بڑھ کر ایک مسلمان کیلئے کوئی دولت نہیں ہو سکتی۔ فرمایا کہ اے مسلمانو! تم مدینہ میں آ گئے، تم کو مال حلال اور مال طیب بھی ملنے لگا، تمہاری جان کو بھی کوئی خطرہ نہیں ہے اور تمہاری عظمت و شوکت بھی اب قائم ہو گئی ہے اس پر تم خدا کا شکر ادا کرتے رہو لیکن مکہ کے اندر جو تکلیفیں تم نے اٹھائی ہیں اسے نہ بھلانا اس لئے کہ تم ان تکلیفوں کو جس قدر یاد رکھو گے اسی قدر تمہارے اندر جوش، حمیت اور غیرت پیدا ہوگی۔

تو میرے دوستو! محرم نئے سال کے ابتداء میں ہجرت کا واقعہ یاد کر لیا کیجئے۔ کسی عاشق نے کتنی سچی بات کہی ہے۔ فرمایا کہ

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را

کبھی کبھی یہ پرانی داستان اور پرانی کہانی بھی اٹھا کر پڑھ لیا کرو اس لئے کہ اس سے سینہ کے داغ ہرے ہو جاتے ہیں اور داغ ہرے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر دینی حمیت اور دینی جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہ قومی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا

اتباعه وارنا الباطل وارزقنا اجتنابه

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد

وآله واصحابه اجمعین برحمتک

یا ارحم الراحمین

والحمد للہ رب العلمین

شہادت حسین رضی اللہ عنہ

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت،
تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ پہلے زمانے میں تو بڑے بڑے
بڑے اللہ والے درویش پیدا ہوتے تھے۔ اب نظر نہیں آتے، کیا وجہ
ہے؟ دراصل ایک وجہ تو یہی ہے کہ پیداوار کم ہے۔ اور پیداوار اس
لئے کم ہے کہ آجکل اکثر و بیشتر لوگ حلال روزی نہیں کماتے۔ خود
پاکستان (PAKISTAN) میں رہنے والے ساڑھے سات کروڑ افراد
اپنا اپنا جائزہ لیں، ان میں سے کتنے آدمی ایسے ہیں جو حلال روزی
کماتے ہیں؟ اور جن گھروں میں، جس ماحول میں حلال رزق میسر
نہیں ہے تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس حرام روزی کو کھا کر شاہ ولی
اللہ اور امام غزالی پیدا ہو سکتے ہیں؟ کیا اس روزی کو کھا کر شاہ عبد
القادر جیلانی اور خواجہ معین الدین اجمیری پیدا ہو سکتے ہیں؟ نہیں۔
(ارشاد حضرت خطیب صاحب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شہادت حسین رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ
عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا
وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا
مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ
وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ
لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ
وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾

سُوْرَۃُ التَّوْبَة

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ؕ

بزرگانِ محترم! ہماری اسلامی جنتری اور اسلامی کیلنڈر کے حساب سے یہ سال کا پہلا مہینہ ہے۔

اسلام سے قبل بھی مہینوں کے یہی نام تھے

اس مہینہ کو پہلا سال ختم ہو جاتا ہے اور نئے سال کا آغاز ہوتا ہے۔ جس کو آپ تقویم اور جنتری کہتے ہیں۔ اسی کو انگریزی میں کیلنڈر [CALENDAR] اور عربی میں سن کہتے ہیں۔ اس کا یہ پہلا مہینہ ہے۔ اس مہینہ سے صرف اسلامی سال ہی شروع نہیں ہوتا ہے۔ سال تو اسلام سے پہلے بھی اسی مہینہ سے شروع ہوتا تھا۔ چودہ سو سال پہلے بھی قمری حساب ذی الحجہ پر ختم ہو کر محرم الحرام سے ہی شروع ہوتا تھا۔ جب دنیا میں اسلام آیا تو اس نے اس نظام کو اپنایا ہے۔ اسلام نے یہ نظام قائم نہیں کیا۔ مہینوں کے یہ نام اسلام نے نہیں رکھے بلکہ اسلام

سے پہلے سے یہ رائج ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب قرآن کریم نازل ہورہا ہے تو مہینوں کے وہی تمام استعمال کررہا ہے جو نزول قرآن سے پہلے لوگوں میں جاری وساری تھا۔ فرمایا کہ

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ﴾

یعنی آپ لوگوں میں ایک مہینہ مشہور ہے۔ جسکو آپ رمضان کہتے ہیں۔ اسی مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ رمضان کا نام پہلے ہی سے جاری تھا۔

ملت مسلم کا آغاز اور اسکی انتہا دونوں غم پر ہے

تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ صرف یہی نہیں کہ محرم الحرام سے سن اور سال شروع ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے قمری سال بھی شروع ہوتا ہے۔ ہجرت کا سال بھی شروع ہوتا ہے۔ اور ہجرت کے سال سے میری مراد یہ ہے کہ آپ کو یہ کسی جشن۔ کسی خوشی اور کسی مسرت کے واقعہ کی خبر نہیں دیتا بلکہ رنج وغم اور ایک اندوہناک واقعہ کے طرف آپ کا ذہن منتقل کرتا ہے اور بعض لوگوں نے جو یہ بات کہی ہے وہ بالکل صحیح کہی ہے کہ ملت مسلم کا آغاز بھی غم سے ہے اور اسکی انتہا بھی غم پر ہے۔ میرا اشارہ علامہ اقبال مرحوم کے اس شعر کی طرف ہے فرمایا کہ

غریب وسادہ ورنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اسکی حسینؑ ابتداء ہے اسماعیل

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی سے اسکی ابتداء ہوتی ہے اور انتہاء واقعہ اس امت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قربانی اور شہادت کا واقعہ ہے۔ گویا اس دین کا مزاج عیش وطرب نہیں ہے۔ رنگ رلیاں نہیں ہے۔ اس دین کا مزاج ایسا ہے جیسا کسی متفکر اور پریشان کا مزاج ہوتا ہے۔

قرآن کی تاثیر فکر انگیز ہے طرب انگیز نہیں

سرکار دوعالم ﷺ کے

اوصاف یہ بیان کئے جاتے ہیں کہ آپ ﷺ دائم الفکر تھے آپ ہمیشہ اس طریقے سے رہتے تھے جیسے کوئی آدمی غمگین ہوتا ہے جیسے کوئی آدمی متفکر اور پریشان ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے عرض کیا ہمارے نبی کی بھی یہ صفت ہے اور جو کتاب (قرآن کریم) جس کے ذریعہ ہمیں اور آپ کو ہدایت ملی یہ بھی طرب انگیز نہیں ہے فکر انگیز ہے۔ یعنی جس پر قرآن کریم کا اثر ہوتا ہے وہ خوشی میں رقص نہیں کرتا ہے۔ اس پر طرب نہیں آتی ہے بلکہ اس کا سر جھک جاتا ہے۔ تو قرآن کریم کی تاثیر فکر انگیز ہے طرب انگیز نہیں ہے۔ گانے بجانے اور موسیقی سے آپ کے اندر جو جذبات پیدا ہوتے ہیں وہ عیش و طرب کے جذبات ہیں۔ اور جب آپ یہ دیکھیں کہ قرآن کریم کا اثر کسی پر ہوا ہے تو اس کے متعلق آپ یہ سمجھئے کہ جیسے ایک ہنستا ہوا آدمی غمزدہ بن جاتا ہے۔ یہ تاثیر ہے قرآن کریم کی۔ اور فطرت انسانی بھی غالباً ایسی ہی ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ صحیح الفطرت انسان وہی ہے جس کی یہ کیفیت ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کبھی خوش نہ ہو یا ہنسے۔ بلکہ خوش بھی ہو اور ہنسے بھی۔ لیکن کس طرح؟

سرکار دوعالم ﷺ دائم الفکر تھے حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب ہنستے تھے تو تبسم فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے تمام عمر کبھی قہقہہ نہیں لگایا ہم اور آپ تو محفلوں میں اس طریقے سے قہقہہ لگاتے اور ہنستے ہیں کہ جیسے اس سے چھت اڑ جائے یا دیواریں گر جائیں۔ حضور اکرم ﷺ تمام عمر قہقہہ لگا کر نہیں ہنسے (۱) آپ ﷺ نے فرمایا کہ قہقہہ وہی لگا سکتا ہے جس کا دل آخرت سے بے فکر ہو۔ آپ ﷺ سے متعلق حدیث کے الفاظ مجھے یاد آ گئے فرمایا کہ۔

كان متواصل الاحزان ودائم الفكرة (شمائل ترمذی [illegible])

متواصل کے معنی پے در پے۔ لگاتار کے ہیں۔ اور حزن کے معنی ہیں غم یعنی

(۱) بخاری [illegible]۔ مسلم [illegible]۔ ترمذی [illegible]۔ ابن ماجہ [illegible]

جان دینے والے تو بہت ہیں لیکن ایسے جان دینے والے کتنے ہیں جو تڑپنے میں مزا اور لذت محسوس کرتے ہیں؟

صحابیٔ رسولؐ کا ارمانِ شہادت | غزوۂ احد میں دو صحابیوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ چونکہ ابھی جہاد شروع نہیں ہوا ہے اس لئے آؤ ہم تم اور وقت ضائع نہ کریں جہاد شروع ہونے سے پہلے ہم تم دونوں دعا کریں۔ تم دعا کرو میں آمین کہوں گا اور پھر میں دعا کروں گا تم آمین کہنا۔ اور دعا کرنے والے اور آمین کہنے والے دونوں کو قرآن دعا کرنے والا کہتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کر رہے ہیں اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہہ رہے ہیں۔ تو دعا کرنے والے ایک ہیں اور آمین کہنے والے دوسرے مگر قرآن کریم کہتا ہے۔ فرمایا کہ

قَدْ أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا

تم دونوں کی دعا اللہ نے قبول کر لی ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآن کی نظر میں دعا کرنے والا اور آمین کہنے والا دونوں دعا مانگنے والے ہیں۔

تو صحابی نے کہا: میں دعا مانگتا ہوں تم آمین کہو پھر تم دعا مانگو میں آمین کہوں گا۔ کہا: بہت اچھا۔ وہ دعا کرنے لگے فرمایا کہ "اے اللہ! اس جہاد کے اندر میرا مقابلہ کسی بہت بڑے طاقتور کافر سے ہو۔" دوسرے نے کہا: آمین۔ اور دیر تک مقابلہ ہو اور ایسا ہو ویسا ہو پھر میں اس کے سینہ پر چڑھ کر اس کو قتل کر ڈالوں۔ یہ سب دعا مانگ رہے ہیں اور دوسرے آمین آمین کہہ رہے ہیں۔

جب ان کی دعا ختم ہو چکی تو دوسرے نے کہا بھائی! تم نے دعا مانگی میں نے آمین کہی اب میں دعا مانگتا ہوں تم آمین کہو۔ میں نے ابھی کہا تھا نا کہ ایسے جانبازوں اور سر پھروں کی مثالیں نہیں ملے گی۔ اکبر کے اس شعر میں بڑی نزاکت ہے۔ فرمایا کہ

وہ کم ہیں تڑپنے میں جنھیں ملتی ہے لذت — یوں آپ کی شمشیر کے بسمل تو بہت ہیں

میری ناک کاٹ دی جائے

انہوں نے کہا، اچھا صاحب! اب آپ دعا کرو۔ انہوں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! اس جہاد میں میرا مقابلہ کسی بہت بڑے طاقتور کافر سے ہو اور دیر تک مقابلہ ہو اور یہ ہو اور وہ ہو۔ پھر آخر میں کہتے ہیں کہ پھر میں اس کے ہاتھوں شہید کر دیا جاؤں۔ اور جب میں شہید کر دیا جاؤں تو میرا ہاتھ کہیں پڑا ہو، میرے بدن کے ٹکڑے کہیں پڑے ہوں، میری ناک کاٹ دی جائے، میرے کان کاٹ دیے جائیں اور میری آنکھیں نکال لی جائیں، مجھے مثلہ کر دیا جائے۔ دوسرے صحابی آمین، آمین کہہ رہے ہیں، پھر انہوں نے کہا کہ اسی حالت میں مجھے اللہ کے دربار میں پیش کیا جائے اور اللہ تعالیٰ پوچھے کہ ہم نے تجھے آنکھ، ناک اور کان دے کر پیدا کیا تھا وہ کہاں ہیں؟ میں اللہ کے دربار میں کہوں کہ اے اللہ! تیری راہ میں کٹوا کر آیا ہوں! اب آپ ایمانداری سے بتایئے کہ ہے کسی مذہب وملت میں شہداء کی یہ شان؟ جان دینے میں بھی اپنا اپنا جداگانہ مذاق ہے۔ عرب کا ایک شاعر کہتا ہے:

ومن دیدن حب الدیار لاھلھا
وللناس فیما یعشقون مذاھب

عشق کے بہت سے مذاہب اور طریقے ہیں، ایک ہی طریقہ پر عشق کا اظہار نہیں ہوتا۔ دو طریقے تو ابھی میں نے آپ کو بتائے۔

حضور اکرم ﷺ کی تمنائے شہادت

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

والذی نفسی بیدہ لوددت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل (۱)

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میری تمنا اور میری خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر (لذت شہادت کی خاطر) مجھے دوبارہ زندہ کیا جائے پھر شہید کیا

(۱) بخاری / ۲۵۹۹، مسلم / ۳۴۸۴، سنن نسائی / ۳۰۹۸، سنن ابن ماجہ / ۲۷۴۳، مسند احمد / ۱۰۴۳۰، موطا مالک / ۸۷۵، سنن دارمی / ۲۲۹۳

جائے۔ پھر زندہ کیا جائے پھر شہید کیا جائے۔ پھر زندہ کیا جائے۔ پھر شہید کر دیا جائے۔

اب آپ نے اندازہ لگایا؟ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی امت کے اندر شہادت کا کیسا جذبہ پیدا کیا تھا؟ اسی لئے ملت اسلامیہ کی تاریخ شہادت کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

ہلال عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے جیسے ہی محرم الحرام کا مہینہ آتا ہے، پہلی تاریخ کو ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ تازہ ہو جاتا ہے اور یہ واقعہ تو خیر بعد کا واقعہ ہے بلکہ جس وقت آپ محرم کا چاند دیکھتے ہیں۔ چاند بھی آپ سے باتیں کرتا ہے جسے بعض سمجھتے ہیں اور بعضے نہیں سمجھتے۔ کسی عاشق نے کہا جو سمجھتا تھا:

ہلال عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے　　　　پیام عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے

عید کا چاند کہہ رہا ہے اے دیکھنے والو! تمہیں خوشی مبارک ہو۔ عاشق کہتا ہے کہ تو پیام عیش و مسرت دیتا ہے لیکن ہم جیسے دل جلوں کا دل دکھاتا ہے۔

محرم الحرام کا چاند آپ سے کیا کہتا ہے؟ جب محرم کا چاند نکلتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ اے مسلمانو! اس واقعہ کو یاد کرو جب سرکار دو عالم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ کیونکہ ہمارا سال ہجری ہے۔ ہمارا سنہ ہجری ہے میلادی یا وفاتی نہیں ہے۔ وفاتی سنہ وہ کہلاتا ہے کہ جس میں کسی شخصیت کی وفات کی یاد منائی جائے اور میلادی سال وہ ہوتا ہے جو کسی شخصیت کی ولادت کی یاد تازہ کرے جیسے کہ سنہ عیسوی جس کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت پر ہے وفات پر نہیں ہے۔ کیونکہ ابھی تک آپ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی ہے۔

عیسائیوں کا عقیدہ عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے۔ حیرت ہے قرآن کریم کہتا ہے۔ کسی مسلمان کو یہ عقیدہ نہیں رکھنا چاہئے۔ فرمایا کہ۔　　وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا گیا۔ ان کو پھانسی پر نہیں چڑھایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا۔ تو یہ سنہ عیسوی سنہ ہجری نہیں بلکہ میلادی ہے۔ لیکن ہم اور آپ کیسے ذوق و شوق سے سنہ عیسوی لکھتے ہیں۔ میں آپ سے یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ یہ سنہ لکھنا ناجائز ہے لیکن میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اتنا شوق ہمیں سنہ ہجری لکھنے کا نہیں ہے کہ جس سے ہجرۃ النبی ﷺ کی یاد تازہ ہوتی ہے جتنا کہ سنہ عیسوی لکھنے کا شوق اور رواج ہے۔

تو ہمارا سنہ میلادی نہیں ہے۔ وفاتی نہیں ہے اور جلوسی ہونے کا تو سوال ہی نہیں ہے۔ کیونکہ سنہ جلوس تو وہ سنہ کہلاتا ہے کہ جس سے کسی بادشاہ کی تخت نشینی کی یاد تازہ ہو۔

سرکار دو عالم ﷺ بادشاہ نہیں تھے سرکار دو عالم ﷺ کوئی بادشاہ نہیں تھے کہ آپ کی تخت نشینی ہوئی ہو۔ آپ ﷺ سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا آپ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح بادشاہت چاہتے ہیں یا نبوت؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بادشاہت و سلطنت نہیں چاہیے۔ مجھے صرف اللہ کی عبدیت اور اسکی بندگی چاہیے۔

تو میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ مہینہ جب شروع ہوتا ہے اور چاند نکلتا ہے تو وہ آپ سے یہ کہتا ہے ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

یعنی اے مسلمانو! اگر تم اپنی تاریخ کو، اپنے بزرگوں اور اپنے اسلاف کی قربانیوں کو یاد رکھنا چاہتے ہو تو ہجرت کا واقعہ یاد رکھو۔ یہ کہتا ہے چاند!

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت پھر صبح ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ کیونکہ ۲۶ ذی الحجہ کو آپ پر حملہ ہوا اور غالباً پہلی یا

دوسری محرم کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی ہے اور یہ شہادت ہے۔ کیونکہ ایک ظالم کی وجہ سے آپ شہید ہوئے۔ کیوں کیا قتل؟ اس لئے کہ آپ کی ساڑھے دس سالہ دور حکومت وخلافت کو یہ تاریخ اسلام کا سب سے زیادہ سنہرا باب ہے جو قیامت تک کے لئے مسلمانوں کی تاریخ کو روشن کرتا رہے گا۔ اور پھر ایک دو نہیں بہت ہی شہادتیں ہیں۔ (۱)

ہجرت کے ساٹھ سال بعد: ہجرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً ساٹھ سال گذر جانے کے بعد جب افسوس محرم آیا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ اور یہ سانحہ بھی ایسا ہے کہ اس کو گذرے ہوئے تقریباً تیرہ سو چالیس (۱۳۴۰) سال کا عرصہ ہو گیا لیکن آج بھی یہ واقعہ ایسا ہی تازہ نظر آتا ہے جیسے کہ یہ واقعہ آج ہی پیش آیا ہے ابھی تک مسلمانوں کے دلوں میں غم کا یہ واقعہ تازہ ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ آج اس سانحہ پر کچھ روشنی ڈالی جائے اگرچہ مختصر سی محفل میں اس واقعہ پر روشنی ڈالنا اور اس واقعہ کو بیان کرنا دشواری پیدا کر سکتا ہے۔

میں نے ہمیشہ کہا ہے کہ بعض واقعات ایسے پیچیدہ قسم کے ہوتے ہیں کہ اگر انہیں اجمالی طور پر بیان کر دیا جائے تو اگرچہ بیان کرنے والے اور سننے والے دونوں کو ثواب ہوگا۔ لیکن اس کی وجہ سے دماغوں میں بعض الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ زندگی کا تجربہ ہے کہ جب تک کسی واقعہ کی تفصیل بیان نہ کی جائے انسان کا ذہن کسی اور طرف جاتا ہے اور جب اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جائے تو ذہن پھر دوسری طرف جاتا ہے۔ یہ ایک دفعہ کا نہیں لاکھوں دفعہ کا تجربہ ہے۔

ہمارے حدیث کے اساتذہ میں سے حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے محدث بھی تھے اور بڑے اللہ والے بزرگ بھی تھے ان کے سب سے زیادہ

(۱) صدوالفتن ج ۱، ۲۲۳

معتقد رانديرِ (RANDHER) اور (SURAT) سورت کے لوگ تھے، چنانچہ ان کا مزار بھی راندیر میں ہی ہے۔ بہت ہی کم سخن تھے اور انتہائی حکیمانہ باتیں کرتے تھے۔ اگر کوئی بات کسی کے سمجھ میں نہ آتی تھی تو فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! یہ بات ذوقی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ بڑے سے بڑا عقل والا اس کو سمجھ لے اسکو سمجھنے کیلئے ذوقِ سلیم ہونا چاہئے۔ تو فرمایا کرتے تھے کہ یہ بات ذوقی ہے اور ذوق مرگیا دلی میں۔ مطلب یہ ہے کہ ذوق اب کہاں ہے؟ تمہارے اندر بھی ذوق نہیں ہے اس لئے تم سمجھ نہیں سکتے۔

واقعات کی نزاکت اکثر درس میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ مولوی صاحب! بعض واقعات ایسے ہیں کہ اگر مختصر طور پر کہے جاتے ہیں تو آدمی کا ذہن کسی اور طرف جاتا ہے اور جب تفصیل سے بتائے جاتے ہیں تو ذہن دوسری طرف جاتا ہے۔ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں، ان کے پاس ملک کے طول و عرض سے لوگ تعویذ گنڈوں کیلئے بھی آیا کرتے تھے مگر چونکہ وہ بڑے محدث تھے اس لئے وقت اس میں ضائع نہیں کرتے تھے فرماتے تھے کہ ان لوگوں کے آنے کی وجہ سے میرے مطالعہ میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ میرے پڑھانے میں خلل پیدا ہوتا ہے لہٰذا ان کیلئے وقت مقرر کردیا تھا۔ چھوٹے سے چھوٹا، بڑے سے بڑا آدمی اگر تعویذ لینے کیلئے آتا تو کہتے کہ عصر کے بعد آؤ اور بس! باقی میرا وقت درس و تدریس، پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا ہے۔

زیارت کیلئے آیا ہوں ایک صاحب کہیں باہر سے آئے اور انہوں نے دروازے کی کنڈی بجائی۔ حضرت میاں صاحب کنڈی لگا کر اندر مطالعہ کر رہے تھے جب انہوں نے کنڈی بجائی تو دروازہ کے قریب آکر پوچھا، بھائی کون؟ ہم اور آپ تکلف کی زبان بولتے ہیں اور ہمیں یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ اس تکلف کی زبان میں ہم جھوٹ بول رہے ہیں۔ حضرتؒ نے پوچھا، تم کون ہو؟ انہوں نے کہا، جی میرا نام فلاں ہے۔ پوچھا،

کہاں سے آئے ہو؟ کہا سیالکوٹ سے۔ پھر پوچھا کیسے آئے؟ انہوں نے کہا جی زیارت کیلئے آیا ہوں۔ حضرت میاں صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ ایک مسلمان مجھ سے عقیدت رکھ کر اتنی دور کا سفر طے کر کے آیا ہے تو اس کے قدم بھی ہمارے لئے باعث رحمت ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس شخص کی اس عقیدت کی وجہ سے ہی اللہ ہمیں بخش دے۔۔۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ مجھے نیک سمجھ کر مجھ سے ملنے کیلئے آتے ہیں میں ان کے آنے کو اپنے لئے سرمایۂ نجات سمجھتا ہوں۔ کیونکہ میں تو نیک نہیں ہوں لیکن اللہ کے بندے مجھے نیک سمجھ رہے ہیں۔

کان پکڑ کے باہر نکال دیا تو میاں صاحبؒ نے یہ سمجھ کر ایک شخص صرف زیارت کیلئے آیا ہے فوراً کنڈی کھول دی۔ اور فرمایا کہ آؤ بھائی آؤ۔ فرمایا کہ سب اپنی اپنی غرض اور اپنے کام کو ہی آتے ہیں۔ چلو اللہ کا ایک بندہ تو صرف ملاقات کیلئے آیا ہے۔ یہ اللہ کا کتنا نیک بندہ ہے جو صرف ملاقات کیلئے آیا ہے۔۔۔ میاں صاحبؒ فرمانے لگے کہ میں نے اسے پنکھا وغیرہ بھی جھلا، اس لئے کہ مہمان کی خدمت کرنی چاہئے اس کی وجہ سے اس نے یہ سمجھ کر کہ ہم نے تو اس مولوی صاحب کو بوتل میں اتار ہی لیا۔ فوراً کہنے لگا، حضرت جی! ایک تعویذ لینا ہے۔ فرمایا لاحول ولاقوۃ الاباللہ۔ میاں صاحبؒ کو غصہ آگیا، پنکھا رکھا اور کان پکڑ کے دروازے کے باہر نکال کر کہا کہ جاؤ عصر کے بعد آنا اور کنڈی لگالی۔

یہ کیسے محدث ہیں؟ حضرت میاں صاحبؒ فرماتے تھے کہ اب یہ آدمی یہاں سے گیا اور لوگوں سے جا کر یہ واقعہ بیان کرنے لگا تو جن لوگوں کے سامنے یہ مختصر طور پہ بیان کرتا سب مجھے برا بھلا کہتے کہ یہ کیسے عالم ہیں؟ یہ کیسے محدث ہیں؟ یہ کیسے نائب رسول ہیں؟ وغیرہ۔ وہ صرف دو لفظوں میں واقعہ بیان کرتا تھا کہ میں میاں صاحبؒ کے

یہاں گیا۔میاں صاحب نے مجھے گھر سے باہر نکال دیا اور کنڈی لگالی۔بس، اور فرمایا کہ جو آدمی مجھ سے پوچھتا تھا اور میں اس سے کہتا تھا کہ میں نے تعویذ گنڈے کیلئے عصر کے بعد کا وقت رکھا ہے، باقی وقت میرا درس وتدریس کا ہے، یہ آدمی آیا اور یہ جھوٹ بولا کہ میں آپ کی زیارت کیلئے آیا ہوں لہذا میں نے اسے اندر بلالیا، لیکن جب مجھے یہ پتہ چلا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے تو میں نے اسکو نکال دیا اور کہا کہ تم عصر کے بعد آنا۔ تو جب میں یہ بات تفصیل سے سناتا تو پھر لوگ میری حمایت میں باتیں کرنے لگتے تھے۔ اندازہ لگایا آپ نے؟ مختصر کہتے تو کسی اور نتیجہ پر اور وضاحت سے تو کہتے تو دوسرے نتیجہ پر۔

عقل پرستی اور انکار نبوت شہادت حسین رضی اللہ عنہ میں بھی دراصل تاریخ کے بعض ایسے پیچیدہ قسم کے واقعات ہیں کہ اگر اسے ویسے ہی سرسری طور پر بیان کردیا جائے تو کبھی کبھی بعض الجھنیں بھی پیدا ہوسکتی ہیں، خاص طور سے اس زمانہ میں کیونکہ یہ زمانہ ایسا زمانہ ہے کہ نعوذ باللہ، نعوذ باللہ، اگر کسی سے کہا جائے۔قال رسول اللہ۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے، تو آپ کو ایسے لوگ بھی ملیں گے جو یہ کہیں گے کہ بیشک حضور ﷺ کا ارشاد سر آنکھوں پر ہے لیکن جب تک ہماری عقل میں نہ آجائے ہم ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ آج ایسے ایسے عقل پرست انسان بھی دنیا میں ملیں گے اور یہ عقل پرستی نہیں ہے، یہ نبوت کا انکار ہے۔

اور یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں لکھا ہے، اٹھاکر دیکھ لیجئے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی قول رسول کو سن کر یہ کہتا ہے کہ جب تک میری عقل میں نہیں آئے گا میں نہیں مانوں گا، فرمایا کہ وہ نبوت کا منکر ہے دراصل وہ اپنی عقل پر ایمان لایا ہے۔نبی پر ایمان نہیں لایا ہے۔تو اس زمانہ کے لوگ انتہائی بے باک اور گستاخ ہیں۔

غذا اور خوراک کے اثرات

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت، تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ پہلے بڑے بڑے مجذوب، علماء، بڑے اللہ والے درویش پیدا ہوتے تھے، اب نظر نہیں آتے، کیا وجہ ہے؟ دراصل ایک وجہ تو یہ ہے کہ پیداوار کم ہے۔ اور پیداوار اس لئے کم ہے کہ آجکل اکثر و بیشتر لوگ حلال روزی نہیں کھاتے، خود پاکستان (PAKISTAN) میں رہنے والے ساڑھے سات کروڑ افراد اپنا اپنا جائزہ لیں ان میں سے کتنے آدمی ایسے ہیں جو حلال روزی کھاتے ہیں؟ اور جن گھروں میں، جس ماحول میں حلال رزق میسر نہیں ہے تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس حرام روزی کو کھا کر شاہ ولی اللہؒ اور امام غزالی پیدا ہو سکتے ہیں؟ کیا اس روزی کو کھا کر شاہ عبد القادر جیلانی اور خواجہ معین الدین اجمیری پیدا ہو سکتے ہیں؟ نہیں۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے دودھ کی برکت

غذا اور خوراک کے اثرات انسان کے رگ و ریشے اور اس کے ضمیر پر پڑتے ہیں۔ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں حضور ﷺ سے ایک صحابی نے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ اللہ نے آپ کو کیا جوش خطابت عطا فرمایا ہے! اللہ تعالیٰ نے آپ کو طاقت لسانی عطا فرمائی ہے، جوش بیان عطا فرمایا ہے۔ حالانکہ یہ کمال پیغمبرانہ کمال ہے۔ یہ کوئی رسول اللہ نے مشق یا پریکٹس (PRACTICE) کر کے نہیں سیکھا تھا۔ اسلئے کہ نبی کے کمالات کسبی نہیں ہوتے وہبی ہوتے ہیں، عطائے الٰہی ہوتے ہیں۔ مگر آپ ﷺ نے جواب میں کیا ارشاد فرمایا؟ آپ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کس خاتون کا دودھ پیا ہے؟ میں نے خاندان بنو سعد کی ایک نیک خاتون کا دودھ پیا ہے۔ جنکا نام حلیمہ سعدیہ ہے۔ فرمایا کہ یہ اسی کی برکتیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ جب کسی بچہ کی پیٹ میں ماں کے دودھ کے قطرے جاتے ہیں، اگر ماں نیک ہوتی ہے تو اس قطرے کے ساتھ ساتھ نور ایمان بھی جاتا ہے اور اگر وہ بد ہے تو اسی قسم کے اثرات اس بچہ کے اندر جاتے ہیں۔

ڈبہ کا دودھ آجکل جو لوگ اہل کتاب عورتوں سے شادیاں کرتے ہیں یا بچوں کو دودھ پلانے کیلئے نرسیں (NURSES) رکھتے ہیں یا کوئی جانوروں کا دودھ پلا رہا ہے تو کوئی ڈبہ کا دودھ پلا رہا ہے۔ اس کو پتہ بھی نہیں کہ وہ کس ملک سے آرہا ہے۔ ان لوگوں کو سوچنا اور یقین کر لینا چاہئے کہ ان کے بچوں پر اسی قسم کے اثرات پڑیں گے۔ بعض لوگ جو یہ سوچتے ہیں کہ ہماری نانی اماں یا ہماری دادی اماں تو تہجد گذار تھیں۔ لیکن ان کی کسی اولاد میں ان کی کوئی تاثیر نہیں ہے ہمارے۔ تاثیر آنے کہاں سے؟ اگر کسی اہل کتاب عورت کا دودھ پیا ہے۔ اگر کسی نصرانیہ یا یہودیہ کا دودھ پیا ہے تو اثر تو اسی کا ہوگا۔

زیاد ابن ابیہ خیر۔ یہ بہت لمبا موضوع ہے۔ اس کو بیان کرنے کی اس وقت فرصت نہیں ہے۔ تاریخ میں ایسی بہت سی شخصیتیں ہیں جن کا نسب ٹھیک نہیں ہے اور جن کے نسب میں کھوٹ تھا ان کے کردار میں بھی کھوٹ ظاہر ہو کر رہا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں بھی اسی قسم کی ایک شخصیت ہے جسکا نام نا معلوم باپ کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اسکا باپ کون ہے؟ تاریخ میں اس اسکا نام زیاد بن ابیہ لکھا جاتا ہے۔ زیاد بن ابیہ کا ترجمہ ہے "زیاد اپنے باپ کا بیٹا" لیکن باپ کون؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے اگر چاہو تو اسکی نسبت اس کے ساتھ کرلو۔ اور ایسا ہوا بھی ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم یہ سرکار دو عالم ﷺ کے مؤذن ہیں۔ یہ عبد اللہ ابن ام مکتوم کہلاتے ہیں یعنی عبد اللہ ام مکتوم کے بیٹے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ مکتوم کے معنی نابینا کے آتے ہیں۔ حضرت عبد اللہؓ نابینا تھے۔ اور سرکار دو عالم ﷺ کے مؤذن ہونے کی وجہ سے تمام گھرانوں میں ان کی والدہ کی بڑی عزت تھی۔ اور جب وہ کہیں جاتی تھیں تو لوگ کہتے تھے کہ مکتوم کی ماں آگئیں۔ نابینا کی ماں آگئیں۔ اسطرح ان

قربانی تھی وہ پوری کائنات میں کسی خاندان کو عطا نہیں فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں لکھا

"من ام المومنین عائشة الی زیاد ابن ابیه۔"

ام المومنین عائشہ کی طرف سے زیاد کی طرف یہ خط بھیجا جا رہا ہے جو اپنے باپ کا بیٹا ہے۔ باپ کون؟ یہ نہیں معلوم نہیں جانتی۔

خاصانِ خدا کی ناقدری باعث عذاب ہے بات بڑھ گئی۔ عرض میں یہ کر رہا تھا کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس زمانے میں درویش کہاں گئے؟ مجذوب کہاں گئے؟ حضرت مولانا تھانوی نے فرمایا کہ ایک تو بہت کم ہے اور جو پیدا ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں خلقِ خدا کی نظروں سے چھپا کر رکھتے ہیں۔ یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لیجئے کہ کیوں چھپا کر رکھتے ہیں؟ اس لئے کہ آجکل عام مذاق بے ادبی اور گستاخی کا ہے۔ اگر ایسے خاصانِ خدا کے ساتھ بد تمیزی اور گستاخی کی گئی تو ہو سکتا ہے کہ اس گستاخی کی وجہ سے امت پر عذاب نازل ہو جائے اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے خواص اور مقبول بندوں کو چھپا کر رکھتا ہے۔

خیر! عرض میں یہ کر رہا تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ اگر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے تو زیادہ مناسب ہے لیکن اس ایک نشست میں یہ ممکن نہیں ہے۔ اس لئے میں صرف انکی شہادت کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے واقعہ کا مختصر تذکرہ کرتا ہوں۔

سیرت حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ۶۱ ہجری کے محرم کے عاشورہ یعنی دسویں تاریخ کو اپنے بہتر جانثاروں کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوئے۔ انہوں نے خاک و خون میں تڑپ کر اپنی قربانی دی۔ وہ ۴ ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اس وقت ہجرت کے

آٹھویں سال کے صرف دو ماہ گزار رہے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً سات سال تھی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان سے ایک سال کے بڑے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی کنیت "ابو محمد" اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کنیت "ابو عبد اللہ" ہے اور ان کا لقب کیا ہے؟ حسن اور حسین ان دونوں کا لقب "ریحانۃ النبی" ہے۔ ریحانہ کے معنی خوشبو کے گچھے۔ یعنی سرکار دو عالم ﷺ کے لئے یہ دونوں ایسے ہیں جیسے کہ بہترین خوشبو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ایک لقب "شبیہ رسول اللہ" (۱) بھی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں صاحبزادے سرکار دو عالم ﷺ سے مشابہت رکھتے تھے۔ بعض علماء نے یہ فرق کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اندر اخلاق و عادات کے اعتبار سے مشابہت زیادہ تھی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اندر بدن اور جسم کے اعتبار سے مشابہت زیادہ تھی۔ یہ دونوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادے اور حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے جگر پارے ہیں اور سرکار دو عالم ﷺ کے نواسے اور نور نظر ہیں۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ یہ دونوں جیسا کہ میں نے بتایا چھوٹے چھوٹے تھے۔ چار پانچ سال کے ہوں گے۔ یہ دونوں وہاں کے رواج کے مطابق لمبے لمبے کرتے پہنے ہوئے مسجد میں تشریف لا رہے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کی محبت کا یہ عالم ہے کہ آپ نے منبر سے اتر کر دونوں کو گود میں اٹھا لیا کہ کہیں یہ اپنے لباس میں الجھ کر گر نہ جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ محبت فطری ہے۔ ہر صاحب اولاد کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے لیکن اولاد کی اولاد سے جو محبت ہوتی ہے وہ [illegible] ہے۔

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما عہد فاروقی میں: حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما

(۱) تہذیب التہذیب، ج ۲ [illegible]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نو عمر تھے لیکن حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں بلوغ کی منزل پر پہنچ چکے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ ان دونوں سے اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبت کرتے تھے، ان کا احترام کرتے تھے۔ ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ یمن سے کچھ چادریں یا کپڑے کے جوڑے آئے، جوڑے خوبصورت اور حسین تھے۔ آپؓ نے ان جوڑوں کو نو عمر بچوں میں تقسیم کروا دیئے۔ تھوڑی دیر میں وہ بچے اپنے اپنے گھروں سے وہ جوڑے پہن کر آئے۔ مسجد نبوی سے متصل حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے گھر سے بھی یہ دونوں صاحبزادے آئے لیکن ان کے جسم پر وہ حلہ (جوڑا) نہیں تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ بھائی! جن لوگوں کو یہ لباس اور حلہ پہنایا گیا ہے انہیں دیکھ کر مجھے خوشی نہیں ہوئی اس لئے کہ جب یہ صاحبزادگان رسولؐ کے بدن پر وہ حلہ نہیں ہے تو مجھے کوئی خوشی نہیں ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ یمن سے پھر جوڑے منگائے جائیں۔ چنانچہ منگائے گئے پھر آپؓ نے ان کو پہنایا اور خوش ہوئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں ان دونوں کا خاص اہتمام تھا۔ آپؓ ان کی عزت بھی بہت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ خطبہ دے رہے تھے یہ دونوں مسجد میں تشریف لائے، ابھی ان کی عمر کچھ زیادہ نہیں تھی۔ جب یہ مسجد میں آئے تو آپؓ نے اپنے پاس منبر پر بٹھا لیا۔

مراعات صد کس برائے یکے

میرے بتانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات صرف حضور اکرم ﷺ ہی کے چشم و چراغ نہیں تھے بلکہ خلفائے راشدین کی نظروں میں بھی ان کا جو مقام و مرتبہ تھا، جو عزت، احترام تھا اور جو محبت تھی وہ کسی کی نہیں تھی۔ یہ قدرتی بات ہے۔ محبت کا ایک اصول ہے۔ ؎

مراعات صد کس برائے یکے

اگر ایک سے محبت ہے تو اس ایک کی محبت کی خاطر سو سے مراعات کرنی

چونکہ محبت کرنے والوں نے تو یہ بھی کہا ہے کہ یار جس سے محبت رکھتا ہے تو اس کے کتے سے بھی محبت کرتے ہیں۔ لیلیٰ جس مکان میں رہتی تھی اس مکان کے کھنڈرات، گلی اور لکڑیوں سے بھی محبت کرتے ہیں۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ مجنوں ایک قافلہ میں چلا جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک اجڑی ہوئی بستی آئی۔ مجنوں سواری سے اتر گیا اور قریب جا کر دیکھا تو وہاں صرف کھنڈرات پڑے تھے۔ مجنوں ان کھنڈرات سے لپٹ گیا اور چومنے اور پیار کرنے لگا۔ لوگوں نے کہا یہ پاگل ہو گیا ہے۔ تو وہ کہتا ہے

امر علی الدیار دیار لیلیٰ	اقبل ذا الجدار وذا الجدارا
وما حب الدیار شغفن قلبی	ولکن حب من سکن الدیارا

آج میں جن سے گزر رہا ہوں وہاں کبھی لیلیٰ رہتی تھی۔ مجھے ان کھنڈروں سے محبت نہیں ہے ان دیواروں سے محبت نہیں ہے۔ مجھے محبت اس لیلیٰ سے ہے جو لیلیٰ کبھی ان مکانوں میں آباد ہوتی تھی۔ اسی لیلیٰ کی نسبت کی وجہ سے آج ان کھنڈروں کو پیار کر رہا ہوں۔

حبِ رسول ﷺ کا تقاضہ حب رسول کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ جس چیز کو بھی نسبت حاصل ہو جائے وہ ہمارے نزدیک محترم اور محبوب ہے۔ خاندان رسول ﷺ تو بڑی چیز ہے۔ یہی نہیں کہ وہ ذرات بھی کہ جن پر سرکار دو عالم ﷺ کے قدم مبارک پڑے ہیں ہمارے سروں سے زیادہ محترم ہیں۔

امام مالکؒ تمام عمر مدینہ میں جوتے نہیں پہنے میں ویسے ہی نہیں کہہ رہا ہوں۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تمام عمر مدینہ منورہ میں جوتا نہیں پہنے۔ کسی نے کہا کہ حضرت! آپ جوتے کیوں نہیں پہنتے؟ فرمایا کہ کیا بتاؤں۔ میں جوتا اس لئے نہیں پہنتا ہوں کہ مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر میں جوتا پہن کر چلوں تو کہیں میرا قدم اس جگہ پر نہ

پہنچانے جہاں سرکار دو عالم ﷺ کا قدم مبارک پڑا ہو۔ کیونکہ آپ ﷺ کے قدم جن ذرات پر پڑے ہیں ہمیں اس کا حق نہیں کہ ان ذرات کی بے عزتی کریں۔ اندازہ لگائیے حب رسول ﷺ کے تقاضے کا۔ سرکار دو عالم ﷺ کے نواسے ہونے کی وجہ سے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے تمام خلفائے راشدین نے محبت کی ہے۔ ان کی عزت و احترام میں کسی نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

حضرت عثمانؓ کے قاتل مفسد تھے مصلح نہیں تھے

حضرت عثمان غنیؓ پر جب مفسدوں نے حملہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں صاحبزادوں کو ان کے دروازے پر مقرر کر دیا تاکہ کوئی فسادی اندر نہ جا سکے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے والے مفسد تھے۔ مصلح نہیں تھے۔ اور آجکل کی سیاست اس کے بالکل الٹ ہے۔ آج ہر باطل کا جھنڈا لیکر اٹھنے والا آدمی نعرہ حق کا لگاتا ہے۔ کام باطل کا کرتا ہے۔ کوئی آدمی اپنے دہی کو کھٹا نہیں کہتا۔ جو لوگ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے تھے اپنے آپ کو مصلح قرار دیتے تھے لیکن درحقیقت یہ مفسد تھے۔ یہ لوگ اسلام میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔

حضرت عثمان غنیؓ کا خطاب

سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کوٹھے پر تشریف لائے اور مسلمانوں سے خطاب کر کے کہا اے مسلمانو! یاد رکھو اگر آج تم نے ایک مسلمان کو شہید کرنے کیلئے میان سے تلوار نکال لی تو قیامت تک یہ تلوار میان میں واپس نہیں جائے گی۔ مسلمانوں کا خون بہتا رہے گا۔ اور فرمایا کہ اگر تم نے ایسا کیا تو کبھی تم ایک امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکو گے۔ کبھی ایک امیر کے تابع ہو کر جہاد نہیں کر سکو گے۔ اور ویسا ہی ہوا۔ علامہ اقبال نے اسی کا مرثیہ پڑھا ہے۔ فرمایا کہ

امت بودی امم گردیده ای　　　بزم خود را خود ز هم پاشیده ای

رسول اللہ ﷺ نے تو ایک امت چھوڑی تھی اب کتنی امتیں ہیں؟ یہ انتشار ہم

نے خود پیدا کیا ہے

امت بودی امم گردیدہ ای	بزم خود را خود بخود شیرازہ ای
آنچہ با خود خویش کردی کس نہ کرد	روح پاک مصطفیٰ آمد بدرد

فرمایا کہ امت میں انتشار پیدا کر کے تو نے اتنا بڑا کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی روح تڑپ گئی۔

عقیدہ حیات رسول ﷺ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ جہاں آرام فرما ہے ہیں وہاں آپ آج بھی زندہ اور باحیات ہیں۔ اور آپ ﷺ کو جس چیز سے سب سے زیادہ خوشی ہوتی ہے وہ مسلمانوں کا ایک دوسرے سے پیار و محبت کرنا ہے اور جس چیز سے آپ ﷺ کا دل دکھتا ہے وہ مسلمانوں کا آپس تفرقہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فتنہ پردازوں کی دھمکی بہرحال۔ مفسدوں کی یہ جماعت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کیلئے آئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت مدینہ میں ہی تھے۔ ان مفسدوں نے ان کے دامن کو بھی داغدار کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ہمارا ساتھ دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کبھی تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ اگر آپ ہمارا ساتھ نہیں دیں گے تو ہم پبلک (PUBLIC) (عوام) میں جا کر یہ کہیں گے کہ ہمیں اس کا کیلئے حضرت علیؓ نے ہی بلایا تھا۔ نعوذ باللہ نعوذ باللہ!

جب بلوائیوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تو حضرت علیؓ نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو ان کے دروازے پر مقرر کر دیا تاکہ کوئی فسادی اندر نہ جا سکے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ سے مشورہ کرنا چاہا۔ یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچائی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مشورہ کیلئے حضرت عثمان غنیؓ کے گھر تشریف لا رہے تھے کہ ان فسادیوں نے انہیں آنے سے روک دیا۔ حضرت

علی کرم اللہ وجہہ نے اپنا صافہ اتار کر پھینکا اور فرمایا کہ اس کو عثمان غنی تک پہنچادو اور ان سے یہ کہہ دو کہ میں آپ کے بلانے پر آنا چاہتا ہوں مگر یہ فسادی مجھے آنے نہیں دے رہے ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت حضرت علیؓ نے دونوں صاحبزادوں کو دروازہ پر مقرر کردیا تھا (۱)۔ اس لئے وہاں سے کسی فسادی کو اندر جانے کی مجال نہ تھی چنانچہ پیچھے کی جانب سے مکان پر چڑھ گئے اور اندر گھس کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر حملہ کردیا۔ (محمد بن ابی بکر نے) ان کی ڈاڑھی پکڑی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا کہ تیرا باپ اس ڈاڑھی کی عزت کرتا تھا۔ انہوں نے داڑھی چھوڑدی۔ پھر لوگوں نے فوراً حملہ کردیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے کوئی مقابلہ نہیں کیا اور لوگوں کو بھی مقابلہ کرنے سے منع کردیا تھا۔ کیوں منع کردیا تھا؟

سرکار دوعالم ﷺ کو منہ دکھانا ہے فرمایا کہ اس لئے منع کرتا ہوں کہ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں مجھے اللہ کے سامنے حاضری دینی ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ کو منہ دکھانا ہے۔ اگر میں خون ریزی کا جواب خون ریزی سے دوں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ میری طرف اشارہ کرکے یہ فرمائیں کہ میری امت کا یہ پہلا آدمی ہے جس کے ذریعہ میری امت میں خون ریزی شروع ہوئی۔ یہ داغ اور یہ الزام میں اپنے سر لینا نہیں چاہتا۔ جان دینا پسند کرلوں گا مگر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دوں گا۔

بلوائیوں نے حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کردیا۔ وہ خاک و خون میں تڑپ رہے ہیں۔ بلوائیوں نے یہاں تک کوشش کی کہ آپ کی لاش کی بھی بے حرمتی کی جائے۔

اہل بیت میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مقام اندازہ لگایئے: یہ کام ان لوگوں کا ہے جو اپنے آپ کو صرف مؤمن اور مسلمان ہی نہیں کہتے تھے بلکہ ان کا یہ بھی دعویٰ

(۱) البدایہ والنہایہ ج ۷، ۱۸۷

تھا کہ ہم اہل بیت کی محبت قائم کرنے کیلئے آئے ہیں۔ ورنہ یہ بھی اہل بیت میں
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مقام تو یہ ہے کہ ان کے نکاح میں سرکار دو عالم ﷺ کی
یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں آئی ہیں۔ اسی وجہ سے آپؓ کا لقب ذی النورین ہے[1]
جب دوسری بیٹی کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس اگر تیسری بھی
ہوتی تو اسکو بھی عثمان غنیؓ کے نکاح میں دے دیتا۔ کیا اس کی کوئی عزت نہیں
ہے؟ بہرحال، جنت البقیع سے کچھ فاصلہ پر ایک جگہ ہے "حش کوکب" جو اب جنت
البقیع کا ہی ایک حصہ ہو گیا ہے، یہاں حضرت عثمان غنیؓ کو دفن کیا گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دور خلافت اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کی خلافت کا دور آیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور میں بھی وہی پریشانیاں آئیں۔ وقت
بہت مختصر ہے۔ یہاں ایک بات عرض کرتا چلوں۔ مدینہ کی یہ حالت دیکھ کر حضرت علیؓ
کا دل روتا تھا۔ مسجد نبوی میں وہ لوگ دندناتے پھرتے تھے جو بلوائی تھے۔ نماز نہیں ہو رہی
تھی۔ مسجد نبوی کی اس بے حرمتی کو دیکھ کر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں پہلا کام یہ کروں
گا کہ دارالخلافہ مدینہ سے منتقل کر کے کوفہ لے جاؤں گا۔ اس لئے کہ حکومتوں کے تختے تو
پلٹے جاتے ہی رہتے ہیں۔ مقابلے ہوتے ہی رہتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس کے بعد دیار
رسول کے اندر پھر یہ ہنگامہ برپا ہو۔

چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دارالخلافہ کوفہ منتقل کر دیا اور وہیں تشریف
لے گئے۔ ان کے ساتھ بلوائیوں کی جماعت بھی جو آپؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تھی کوفہ
چلی گئی۔ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بڑی بے اعتمادی سے پریشان کیا۔ پھر ایک وقت
ایسا آیا کہ خارجیوں نے ان کو بھی شہید کر دیا۔

میں نہیں چاہتا کہ خلافت کے دو ٹکڑے ہوں پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی

(۱) [illegible]

شہادت (۱) کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا گیا، اس کو بھی خلافت راشدہ کا ایک ضمیمہ کہنا چاہئے۔ حضرت حسنؓ اگرچہ حضرت علیؓ کے بیٹے ہی ہیں لیکن باپ کے بعد بیٹے کا خلیفہ ہونا اسلامی اصول کے خلاف نہیں ہے۔ بشرطیکہ ملت ان کی خلافت پر راضی ہو جائے اور اپنی رائے سے ان کو خلیفہ مقرر کرے۔ یہ قیصریت نہیں ہے یہ کسرائیت نہیں ہے۔

حضرت امام حسنؓ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست برداری اختیار کی اور فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ خلافت کے دو ٹکڑے ہوں چنانچہ خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیا۔ تفصیل میں جانے کا وقت نہیں ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کی وفات ۶۰ھ میں ہوئی۔ حضرت امیر معاویہؓ اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد مقرر کر دیا۔ یزید فاسق و فاجر تھا، لاابالی اور شکاری تھا۔

لوٹا پکڑنے کی بھی اجازت نہ ہوتی البتہ یہاں یہ بات سمجھ لیجئے جو میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ آج ہم جیسے لوگوں کو یا اس زمانے کے علماء کو جنہیں آپ "حضرت جی" کہتے ہیں، یا کہتے ہیں کہ یہ ہمارے حضرت ہیں یہ ہمارے قبلہ و کعبہ ہیں۔ یہ کیوں کہتے ہیں؟ ہم جیسے لوگوں کو قبلہ و کعبہ کیوں بناتے ہیں؟ اس لئے بناتے ہیں کہ آج امام غزالیؒ نہیں رہے، اس لئے بناتے ہیں کہ آج شیخ عبد القادر جیلانیؒ نہیں رہے اسلئے بناتے ہیں کہ آج خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نہیں رہے۔ لیکن ایمانداری سے بتایئے کہ اگر آج شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا زمانہ ہوتا، حسن بصریؒ کا زمانہ ہوتا، امام غزالیؒ کا زمانہ ہوتا تو ہم جیسے لوگوں کو تو میرے خیال میں ان کے پاؤں دھونے کیلئے لوٹا پکڑنے کی بھی اجازت نہ ہوتی۔

جسکا مطلب یہ ہے کہ ہم حضرت جی تو ہیں لیکن دورِ زوال کے حضرت جی ہیں،

(۱) البدایہ والنہایہ ج ۸/ ۲۰۰

دورِ عروج کے حضرت ہی سمجھی ہیں! اسی طرح دورِ صحابہ میں وہ آدمی فاسق وفاجر کہلاتا تھا جس کے اندر نماز کی مکمل پابندی نہیں تھی۔ جو لہو ولعب اور شکار میں اپنا وقت گزارتا تھا۔ اور آج فاسق وفاجر کسے کہتے ہیں؟ اسے کہتے ہیں جس کے اندر داڑھی مونچھ کا صفایا ہے۔ جو فارغ البال ہے۔ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں اکبر الہٰ آبادی کہتا ہے۔ فرمایا کہ -

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے
تو خوشی پھر اسکی کیا ہے کوئی جنٹ کوئی جج ہے [کلیات اکبر ص [illegible]]

آج فاسق وفاجر کسے کہتے ہیں؟ جو اسلام کو چھوڑتا ہے پرواہ کرے نہ کرے۔ اسلام کو گالیاں نہ دے۔ باقی نماز روزہ تو اسکا تو نام ہی نہیں ہے۔ تو اس زمانے کے فاسق اور دورِ صحابہ کے فاسق میں بڑا فرق ہے۔

حضرت حسینؓ اور یزید کی ولیعہدی بہرحال! حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو ولی عہد مقرر کردیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے جب یہ مسئلہ آیا تو اپنے نانا کے لائے ہوئے دین کی حفاظت کی خاطر اس کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ اس لئے نہیں کہ وہ خود خلیفہ بننا چاہتے تھے کیونکہ روحانی اعتبار سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے برگزیدہ اور محترم شخصیت پوری روئے زمین پر نہیں تھی۔ وہ نبی کے چشم وچراغ تھے۔ ایسا تھوڑا ہی تھا کہ خلافت لیکر ان کو کوئی چار چاند لگ جاتے۔

اسلام میں خلافت وامامت بات دراصل یہ تھی کہ اسلام میں خلیفہ مقرر کرنے کا جو طریقہ ہے وہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے مصلیٰ پر امام کو مقرر کرنے کا طریقہ ہے۔ اسلام نے اس کیلئے کچھ ہدایات دی ہیں ضابطہ دیا ہے۔ اگر باپ کے بعد بیٹا۔ بیٹے کے بعد پوتا، پوتے کے بعد پڑپوتا کا طریقہ جاری ہو جائے تو قیصریت وکسرائیت اور اسلام میں کیا فرق رہیگا؟ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے صرف دین کی حفاظت کیلئے یہ طے کرلیا کہ میں اس ملوکیت اور بادشاہت کے طریقہ کو قطعاً قبول نہیں کروں گا اور اسلام میں جو شورائیت کا

طریقہ ہے اسکی حفاظت کروں گا۔

کاروان ایمان و عزیمت حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف جہاد کیا اور بہتر (۷۲) جاں نثاروں کو لیکر کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ کیونکہ کوفہ والوں نے آپ کو بہت سے خطوط لکھے تھے کہ آپ یہاں تشریف لائیے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرکے آپ کا ساتھ دیں گے۔ مگر جیسا کہ مشہور ہے کہ "کوفی لایوفی" کوفی وفا نہیں کرتا۔

وقت کی کمی کا مجھے احساس ہے اسلئے مختصراً عرض کرتا ہوں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر آپ سے یہ کہا گیا کہ آپ یزید کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔ آپ نے انکار کردیا۔ محرم کی دس تاریخ تھی کہ حضرت حسینؓ اور ان کے اہل خاندان پر خوراک اور پانی بند کردیا گیا۔ اور اس طریقہ سے یزید کی فوج نے جو ابن زیاد کی ہدایت پر کام کررہی تھی حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھ اہل بیت کے جتنے افراد تھے۔ جنھوں نے مقابلہ کیا اور مقابلہ کرتے ہوئے محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو حضرت حسینؓ اپنے جاں نثاروں کے شہید ہوگئے (۱)۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ایک بدبخت آگے بڑھا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر آپ کی گردن مبارک سے الگ کردیا۔ اس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے خاک و خون میں تڑپ کر اس بات کی شہادت دے دی کہ میں اپنے نانا کے لائے ہوئے دین کی حفاظت کیلئے سب کچھ قربان کرسکتا ہوں مگر اس پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

شہادت حسین کا پیغام انسانیت کے نام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت قیامت

(۱) البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۸۲

عاشورہ کی فضیلت

علماء نے لکھا ہے کہ رمضان کے فرض روزہ کے بعد نفلی روزوں میں سب سے افضل روزہ عاشوراء کا روزہ ہے۔ اور اسکی وجہ یہ بھی ہے کہ رمضان کے فرض روزوں کا حکم آنے سے پہلے عاشورہ کا روزہ فرض تھا۔ جب رمضان کے تیس روزے فرض ہوگئے تو عاشورہ کی فرضیت ختم ہوگئی۔ لیکن یوم عاشورہ بہرحال وہ دن ہے کہ اکثر قوموں کے اوپر اس دن کا روزہ فرض تھا اس لئے فرض روزوں کے بعد نفل روزوں میں سے سب افضل یوم عاشورہ کا روزہ ہے۔ معلوم ہوا کہ اس روزہ کی بڑی فضیلت ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جو آدمی عاشورہ کا روزہ رکھے تو وہ اس کیلئے ایک سال کے صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہوجائیگا۔

خیر! تو بات اس پر چل پڑی تھی کہ عاشورہ کا روزہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے مگر یہ گناہ گناہ صغیرہ ہے۔ عاشورہ کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ اس دن اپنے اپنے گھروں میں کھانا پکانے میں فراخ دلی اور وسعت سے کام لیں تاکہ غرباء وساکین کو بھی دے سکیں اور گھر والوں کو بھی افراط کے ساتھ کھلا سکیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ عاشورہ کے دن اگر آپ اپنے اہل و عیال کے لئے کھانے میں وسعت کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کیلئے پورے سال کی روزی میں وسعت فرمائیں گے۔ یہ دو فضیلتیں ہوگئیں۔

(ارشاد حضرت خطیب الامت)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ

وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

أَمَّا بَعْدُ. فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالْفَجْرِ ﴿١﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿٢﴾ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿٣﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ﴿٤﴾ هَلْ فِي ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ ﴿٥﴾ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿٦﴾ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿٧﴾ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿٨﴾ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١١﴾ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾

سُوْرَةُ الْفَجْرِ

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بزرگان محترم اور برادران عزیز! گذشتہ جمعہ سورہ ممتحنہ کی آیتوں کے بارے میں بعض مضامین پیش کئے گئے تھے اور آج اس سے آگے کی آیتوں کے متعلق کچھ کہنا چاہیے تھا لیکن آج ہم اور آپ جس مقدس اور مبارک مہینہ میں موجود ہیں اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس مہینہ سے متعلق احکام ومسائل عرض کئے جائیں۔

عربی زبان سے ناواقفیت کا انجام

حضرات! چاند کے بارہ مہینوں میں یہ سب سے پہلا مہینہ ہے جس کا نام "محرم الحرام" ہے۔ بعض ایسے دوست جو عربی زبان سے دور ہیں خاص کر آجکل ان عربی الفاظ کا ترجمہ بھی ان کے ذہنوں میں نہیں رہا جو اردو زبان میں بھی استعمال ہوتے ہیں یہ لوگ بے چارے بعض اوقات پریشان ہو جایا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بھائی! یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اسلام کے اندر جو چیزیں ناجائز اور ممنوع

ہیں اسلام نے ان کو "حرام" کہا ہے۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ مسجد کے ساتھ بھی لفظ حرام لگا کر "مسجد الحرام" کہا جاتا ہے۔ محرم کے ساتھ بھی لفظ حرام لگا کر "محرم الحرام" کہا جاتا ہے؟ دراصل انہیں لفظ حرام کا معنی معلوم نہیں ہے۔ اور اس معاملہ میں صرف آپ لوگوں کا قصور نہیں ہے۔

ایک روشن دماغ کا اعتراض پاکستان کے ایک بہت بڑے تعلیم یافتہ، ایک بڑے سائنٹسٹ (SCIENTIST) (انکا نام لینا غیبت میں داخل ہو جائیگا اس لئے نام نہیں لیتا) ایک مجلس نکاح میں موجود تھے، معاشرہ اور سوسائٹی (SOCIETY) کے لوگ بھی موجود تھے، نکاح میں نے ہی پڑھایا۔ جب میں نکاح خوانی سے فارغ ہو گیا اور جیسا کہ رواج ہے دولہا اٹھ کر گھر میں سلام کرنے کیلئے گیا تو وہ صاحب مجھ سے پوچھنے لگے کہ مولانا! آپ نے جو ابھی نکاح پڑھایا ہے اور اس کے اندر جو خطبہ پڑھا ہے اس میں آپ نے "رقیب" کا بھی ذکر کیا ہے؟ یہ کیا بات ہے؟ میں بہت پریشان ہو گیا۔ میں نے کہا کہ یہ ایسی بات ہے کہ لوگ ابھی لڑکی والے کے گھر پر ہی ہیں، اگر ان کے کان میں یہ پڑ جائے کہ مولانا نے "رقیب" کا بھی ذکر کیا ہے تو وہ کیا کہیں گے؟ دولہا کیا سوچے گا؟ میں پریشان ہو گیا۔ میں نے کہا بھائی! میں نے آپ کی بات سمجھی نہیں۔ کہنے لگے کہ ابھی آپ نے جو خطبہ پڑھا اس میں رقیب کا ذکر کیا تھا۔ میں نے کہا اوہو! اب میں سمجھ گیا۔ میں نے یہ آیت پڑھی تھی:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿١﴾

اردو اور عربی زبان کا فرق میں نے کہا اب بات میری سمجھ میں آ گئی، اس آیت میں جو لفظ رقیب آیا ہے آپ اسکا ذکر فرما رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، میں

نے کہا۔ صاحب! بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ کو رقیب کے معنی بھی معلوم نہیں ہے۔ رقیب تو خدا کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ یہ عربی لفظ ہے اس کے معنی ہیں محافظ، نگہبان، یہاں اس آیت میں یہی معنی مراد ہے۔ اردو والے اس لفظ کو رقیب روسیاہ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک محبوب کے دو عاشق ہیں یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے رقیب ہیں۔ یعنی دونوں ایک دوسرے کی گھات میں رہتے ہیں کہ کہاں جاتا ہے، کب محبوب سے ملتا ہے، وہ کیا کیا کرتا ہے؟ تو عربی میں اس کے معنی محافظ و نگہبان کے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا

کے معنی ہیں اللہ تمہارے اوپر محافظ و نگہبان ہے۔

جب ایسے بڑے تعلیم یافتہ لوگوں کا یہ حال ہے تو اگر آپ لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

محرم کو محرم الحرام کیوں کہا جاتا ہے؟ در اصل لفظ حرام کے معنی ہیں قابل احترام، مسجد حرام کے معنی ہیں وہ مسجد جو عظمت والی ہے، احترام والی ہے۔ محرم الحرام کے معنی ہیں محرم کا مہینہ جو قابل احترام ہے۔ اب رہی یہ بات کہ ان چیزوں کو حرام کیوں کہا جاتا ہے کہ اسلام میں جن چیزوں کی بندش اور ممانعت ہوتی ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بندش اور ممانعت کبھی کبھی ان چیزوں کی عظمت کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے انسان کا گوشت ممنوع اور حرام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی عظمت اتنی ہے کہ اس کی وجہ سے اس کے کھانے کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ انسانی عظمت اور اس کے احترام کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے گوشت کو اور دیگر تمام اجزاء کے استعمال کو ناجائز اور ممنوع قرار دیا جائے۔

بہرحال، چونکہ کبھی کبھی کسی چیز کے ناجائز اور ممنوع ہونے کی وجہ سے اس کی

عظمت و حرمت ہوتی ہے اسکا احترام ہوتا ہے اسی لئے عرفات کیلئے فقط محرم
احترام کیا جاتا ہے۔ سب آپ لوگ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ مہینہ چاند کے مہینوں میں
سب سے پہلا مہینہ ہے اور ساتھ ساتھ قابل احترام بھی ہے اور یہاں سے اسلامی سن کا
آغاز بھی ہوتا ہے۔

نظام قمری قبل از اسلام بھی رائج تھا یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ یہ
نظام قمری اسلام کا ایجاد کردہ نہیں ہے بلکہ اسلام سے بہت پہلے سے رائج ہے سرکار
دو عالم ﷺ کی تشریف آوری کے قبل سے ہی یہ نظام جاری ہے۔ مہینوں کے یہی نام
جو آج ہیں آپ سے پہلے بھی تھے یہی وجہ ہے کہ ہم اور آپ بآسانی یہ کہہ سکتے ہیں کہ
سرکار دو عالم ﷺ جس دن دنیا میں تشریف لائے اس دن مہینہ ربیع الاول کا تھا اور
تاریخ بارہ تھی۔

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی ولادت اور پیدائش کے پہلے سے ہی یہ نام چلے
آرہے ہیں۔ قرآن کریم نے بھی ان مہینوں کو انہیں رائج الوقت ناموں کے ساتھ ذکر کیا
ہے۔ فرمایا کہ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ
وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ

لفظ رمضان کی تحقیق رمضان ایک مہینہ کا نام ہے علمائے لغت نے لکھا ہے کہ
لفظ "رمضان" در حقیقت اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اسی لئے فرمایا کہ جب تم
اس مہینہ کا نام لو تو اللہ کے نام کی عظمت کے خاطر صرف "رمضان" نہ کہو بلکہ "ماہ
رمضان" کہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ نہیں کہا
بلکہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ کہا۔ ماہ رمضان کہا۔ جس کا مطلب یہ ہے
کہ یہ نظام قمری اسلام کے پہلے سے ہی چلا آرہا ہے۔

سن ہجری اسلام کی ایجاد کردہ ہے فرق صرف اتنا ہے کہ قبل از اسلام اس کے

اقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ﴿١﴾ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿٢﴾

یعنی آج آپ پر وحی نازل ہوئی ہے اور اللہ نے آپ کو منصب نبوت پر سرفراز فرمایا ہے۔ لیکن اس واقعہ سے بھی تاریخ کو شروع نہیں کیا گیا۔ اگر اس واقعہ سے تاریخ کو شروع کیا جاتا تو ۱۴۱۳ھ میں ۱۳ سال کا اور اضافہ ہونا چاہیے تھا۔ تو اس واقعہ سے بھی تاریخ شروع نہیں ہوئی۔

ابتداء سنہ ہجری کا پس منظر درا صل مبدا تاریخ کا رواج اور اسکی تعیین کا واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں پیش آیا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس زمانے میں لین دین میں رقموں کی ادائیگی کیلئے چٹھیاں اور پرچے لکھے جاتے تھے۔ جیسے آجکل آپ نے مہذب شکل میں چیک (CHEQUE) بنا دیا، تو ایک کاغذ تھا، اس پر رقم کی ادائیگی کی تاریخ ۔ شعبان لکھی ہوئی تھی لیکن یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ رقم گذشتہ شعبان میں ادا ہو چکا ہے یا اگلے سال جو شعبان آرہا ہے اس وقت تک ادا کیا جائیگا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا کہ ہماری تاریخ کا ایک مبدا ہونا چاہیے تاکہ ہم لکھ سکیں کہ یہ دسواں سال ہے۔ یہ بیسواں سال ہے اور یہ پچاسواں سال ہے۔ مبدا کسے بنائیں؟ ابتداء کہاں سے کریں؟ صحابہ نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ اسلام کی تاریخ میں ایک ایسا واقعہ ہے جو یادگار بنانے کے قابل ہے۔ اور وہ ہجرت کا واقعہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے۔ چنانچہ مبدا تاریخ اسی ہجرت کے واقعہ کو بنایا گیا۔ کیونکہ ہجرت کے بعد اسلام کی مغلوبیت ختم ہو گئی، اسلام کی کمزوری ختم ہو گئی، اسلام کو عروج ملا، اسلام کو غلبہ اور فروغ ملا۔

سنہ ہجری کی ابتداء ماہ محرم سے کیوں؟ بہرحال، ہجرت کے واقعہ کو مبدا تاریخ تو بنا دیا گیا مگر اس میں ایک دقت اور پریشانی یہ پیدا ہوئی کہ اگر واقعہ ہجرت کو مبدا تاریخ

بنایا جاسکے، اگرچہ عرب کے قمری نظام میں ان کے مہینوں کے نام کے ساتھ بتایا گیا کہ قمری
نظام تو محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے جبکہ ہجرت کا واقعہ ربیع الاول میں پیش آیا جس کا
مطلب یہ ہے کہ پھر تو یہی تقاضہ بنتا ہوگا کہ ربیع الاول کی تیرہ تاریخ سے ہمارا سن
شروع ہو اور ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ختم ہو جائے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم
اجمعین نے مشورہ کیا اور یہ طے ہوا کہ سال ہمارا محرم کے پہلے ہی دن سے شروع ہوگا
اور یہ جو دو مہینے بارہ دن یعنی محرم، صفر اور ربیع الاول کے بارہ دن کا کسر ہے اس کا اضافہ
کیا جائے۔ تو ہجرت کے واقعہ کو یادگار بنانے کیلئے اس کو مبدا قرار دیا گیا لیکن سال
ہمارا شروع ہوتا ہے محرم الحرام سے ہی۔

سنہ ہجری کا پیغام یہ جو نیا مہینہ جو اب شروع ہوا ہے اس کے متعلق لکھا جائے
گا۔ محرم الحرام [illegible]ھ۔ یہ مہینہ ایک تو ہمیں ان سنگین حالات اور تکلیف دہ واقعات کو یاد
دلاتا ہے کہ جن سے مجبور ہو کر حضور اکرم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے۔
اس مہینے کے آتے ہی ہمارے ذہنوں میں وہ واقعات تازہ ہو جاتے ہیں اور تاریخ کا
مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ آنے والی نسلیں اس سے متعلق واقعات کو یاد رکھیں۔ اگرچہ
آج مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے کہ جس کو نہ قمری مہینے یاد ہیں اور نہ ان کی
تاریخیں انہیں معلوم ہیں اور نہ وہ اس سے واقف ہیں کہ اسلامی تاریخ کا مبدا ہجرت کا
واقعہ ہے۔

دوسرا یہ کہ اس مہینے کے بعض دنوں کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے
فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ نیز قرآن کریم کی بھی ایک آیت ہے جس میں دس راتوں کا
ذکر ہے لیکن مراد ان راتوں کے ساتھ ساتھ ان کے دن بھی ہیں۔

اسلامی تاریخ کی ابتداء رات سے ہوتی ہے یہاں آپ ایک طالبانہ اعتراض
کر سکتے ہیں کہ صاحب! قرآن میں دن کا لفظ تو ہے نہیں راتوں کا ذکر ہے فرمایا کہ

وَالْفَجْرِ ۞ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۞ دس راتوں کا ذکر ہے۔ اس کے جواب میں مفسرین نے لکھا ہے کہ ہمارے یہاں تاریخ کا آغاز دن سے نہیں ہوتا ہے۔ رات سے ہوتا ہے۔ غروب آفتاب سے ہوتا ہے۔ تو راتوں کا ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ رات اور دن دونوں مراد ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم یہ بتلا رہا ہے کہ دس دن اور دس راتیں ایسی ہیں کہ جنکی اللہ تعالیٰ قسم کھا رہا ہے۔ وہ کونسا دن اور کونسی راتیں ہیں؟

مفسرین کی ایک جماعت نے کہا کہ وہ ذی الحجہ کے دس دن اور راتیں ہیں۔ مگر بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ وہ محرم الحرام کے دس دن اور راتیں ہیں۔ یعنی یکم محرم الحرام سے لیکر عاشورہ کے دن تک دس دن اور اسکی راتیں خصوصی عبادت اور بندگی کے قابل ہیں ان دنوں میں روزے رکھنے چاہئیں۔

طلوع اسلام کے وقت دنیا کا نقشہ حضور اکرم ﷺ ہجرت کر کے جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں بڑی تعداد میں یہود آباد تھے۔ میں نے اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ آپ حضرات سے کہا ہے کہ جب دنیا میں اسلام کا سورج طلوع ہوا ہے اس وقت آبادی کا نقشہ اس طریقہ پر تھا کہ مکہ میں مشرکین آباد تھے، شام اور یمن کے علاقے میں نصرانی آباد تھے اور مدینہ میں یہود آباد تھے۔

مدینہ منورہ کا پہلا محرم جب حضور اکرم ﷺ ہجرت کر کے ربیع الاول کے مہینہ میں مدینہ تشریف لائے اور اس کے تقریباً دس مہینے کے بعد جب سال شروع ہوا اور پہلی مرتبہ محرم الحرام کا چاند نکلا تو آپ ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ یہود نے عاشورہ یعنی محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھا ہے۔ چونکہ ان لوگوں کا دین آسمانی دین تھا۔ یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے، توریت پر ایمان رکھتے تھے اس لئے حضور اکرم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم جا کر یہود کے علماء سے دریافت کرو کہ آج انہوں نے کیسے روزہ رکھا ہے؟

یہود کا طریقہ چنانچہ ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ آج ہمارے یہاں یوم تشکر ہے، آج ہماری نجات کا دن ہے، آج ہم یادگار کے طور پر روزے کی عبادت کے ذریعہ اس بات کا شکر ادا کرتے ہیں کہ آج ہی کے دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون کے پنجے سے نجات عطا فرمائی تھی اور فرعون کو اس کے لشکر سمیت غرق کر دیا تھا۔(۱) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر آج اس لئے روزہ رکھا جاتا ہے کہ آج کے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم فرعون کے پنجۂ ظلم سے آزاد ہوئی تھی تو ہم ان کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم بھی روزہ رکھیں۔

مسلمانوں کا طریقہ لیکن فرمایا کہ روزہ رکھو مگر یہود کی مخالفت کرو، یعنی صرف دسویں تاریخ کا روزہ مت رکھو بلکہ نویں یا گیارہویں تاریخ کے ساتھ ملا کر روزہ رکھو۔ یہ اسلام کا طریقہ ہے اور وہ یہود کا طریقہ ہے۔ دونوں میں خلط ملط نہیں ہونا چاہئے۔ اس وقت سے عاشورہ کا روزہ نویں تاریخ یا گیارہویں تاریخ کے ساتھ ملا کر رکھنا رسول اکرم ﷺ کی سنت ہے اور امت مسلمہ ان دونوں دنوں کا روزہ سنت کے طور پر رکھتی چلی آرہی ہے۔

یوم عاشورہ کے روزہ کی فضیلت علماء نے لکھا ہے کہ رمضان کے فرض روزہ کے بعد نفلی روزوں میں سب سے افضل روزہ عاشورہ کا روزہ ہے، اور اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ رمضان کے فرض روزوں کا حکم آنے سے پہلے عاشورہ کا روزہ فرض تھا، جب رمضان کے تیس روزے فرض ہو گئے تو عاشورہ کی فرضیت ختم ہو گئی۔ لیکن چونکہ شروع [illegible] میں [illegible] اس دن کا روزہ فرض تھا اس لئے فرض روزوں کے بعد نفلی روزوں میں سب سے افضل یوم عاشورہ کا روزہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے [illegible]

(۱) [illegible]

روزہ کی بڑی فضیلت ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جو آدمی عاشورہ کا روزہ رکھے تو وہ اس کیلئے ایک سال کے صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہو جائیگا۔

کفارہ سیئات کا مطلب ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک سال کے صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے، کبیرہ گناہ اور حقوق العباد معاف نہیں ہوتے، کفارہ کا یہ مطلب آپ لوگوں کے ذہنوں میں رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی کا انتقال ہو گیا اور اس کے ذمہ لوگوں کے قرضے بھی ہیں، اس کے ذمہ نمازیں بھی ہیں، روزے بھی ہیں تو اس کے لئے ایصال ثواب کے طور پر قرآن کریم پڑھ لو سب معاف ہو جائے گا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔

اصل بات تو یہ ہے کہ خدا کے یہاں اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا، یہ نہ میں کہہ سکتا ہوں نہ آپ کہہ سکتے ہیں اور یہ بھی اس شخص کے بارے میں کہہ رہا ہوں جسکی زندگی آپ کے سامنے ہے اور آپ نے اسے دیکھا ہے کہ اسکی نمازیں چھوٹ گئی ہیں، اس کے روزے چھوٹ گئے ہیں اور اس کے ذمہ انسانوں کے حقوق بھی رہ گئے ہیں بلکہ اس شخص کے بارے میں بھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں جس کی زندگی ہماری نظروں میں بڑی مقدس زندگی ہے، تقویٰ کی زندگی ہے، ولیوں کی زندگی ہے، ہم نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کے یہاں اس کے ساتھ کیا برتاؤ ہوگا۔

کیونکہ ہم دنیا میں جو کچھ اس کے متعلق کہتے ہیں ہمیں کاغذ کے اوپر لکھا ہوا ایک ضابطہ دے دیا گیا ہے اس ضابطے کی بنیاد پر ہم حکم لگاتے ہیں لیکن یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اسی ضابطے کی بنیاد پر آخرت میں بھی اس کے ساتھ برتاؤ ہو۔ اس لئے کہ آخرت میں جو برتاؤ ہوگا وہ اللہ کے مراحم خسروانہ کے ساتھ ہوگا۔ ضابطہ کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ معاملہ نہیں فرمائیں گے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ ضابطہ کو لیکر بیٹھ جائیں گے تو شاید

سرکار دو عالم ﷺ اور دیگر پیغمبروں کے علاوہ ایک بھی آدمی اس ضابطے کے اوپر پورا نہیں اترے گا۔ کسی کی نجات نہیں ہوگی۔

میدان حشر میں فضل عدل پر غالب ہوگا حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنی صفت عدل کا تقاضا ترک کر دے گا اور یہ فرمائے گا کہ آج میں عدل کی بنیاد پر بندوں کے ساتھ معاملہ نہیں کروں گا اس لئے کہ اگر میں عدل کی بنیاد پر معاملہ کرنے لگ جاؤں تو کوئی بھی بندہ بخشا نہ جائے گا۔ آج میں جو چیز چاہتا ہوں وہ فضل وکرم اور رحمت کا تقاضہ ہے۔ چنانچہ آج عدل نہیں، فضل کی بنیاد پر معاملہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ حدیث میں بعض لوگوں کے ایسے ایسے واقعات بتلائے گئے ہیں جن کے متعلق ہم اور آپ ضابطہ کی رو سے کہیں گے کہ انہیں جہنم میں ڈالا جائے گا لیکن حدیث میں جب ہم اللہ تعالیٰ کا برتاؤ دیکھتے ہیں تو کچھ اور ہوتا ہے۔

ایک واقعہ حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ میدان حشر میں جب اللہ تعالیٰ فیصلہ کیلئے لوگوں کو طلب فرمائیں گے۔ اس وقت ملائکہ اور فرشتوں سے کہیں گے کہ جاؤ، فلاں آدمی کو بلا لاؤ۔ فرشتے جب اس آدمی کو بلانے کیلئے جائیں گے تو وہ یہ کہے گا کہ مجھے عدالت میں بلا کر کیوں شرمندہ کیا جا رہا ہے؟ اس لئے کہ عدالت میں تو وہ جاتا ہے جس کے مقدمے میں جان ہو اور جس کے کیس (CASE) اور مقدمے میں کوئی جان نہ ہو تو پھر وہ عدالت میں جا کر اپنا مقدمہ کیسے لڑے گا؟ میں تو وہ بدبخت ہوں کہ جس کی زندگی میں کوئی نیکی ہی نہیں ہے اس لئے مجھے عدالت میں بلا کر کیوں شرمندہ کیا جا رہا ہے؟ مجھے تو سیدھے سے جہنم میں پھینکنے کا حکم دے دیا جاتا تو بہتر تھا۔

دنیا کی ندامت معتبر ہے آخرت کی نہیں میرے دوستو! یہ احساس بہت اچھا احساس ہے لیکن کام کا نہیں۔ یہ احساس دنیا میں پیدا ہو جائے۔ اس لئے کہ آخرت کا

احساس معتبر نہیں ہے۔ آخرت میں تو سبھی کے احساسات درست ہو جائیں گے۔ سبھی کے جذبات درست ہو جائیں گے۔ لیکن اس سے فائدہ نہیں پہنچے گا۔ البتہ یہی احساس اگر کسی کے دل میں دنیا میں پیدا ہو جائے کہ کل کہیں میں اللہ کی عدالت میں لوگوں کے سامنے شرمندہ نہ ہو جاؤں۔ کہیں حضور اکرم ﷺ کے سامنے مجھے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ تو یہ احساس اور جذبہ ہی اس کی نجات کیلئے کافی ہے۔

علامہ اقبال کی رباعی یا قطعہ کہئے یاد آگیا۔ فرمایا کہ :

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر

روز محشر عذرہائے من پذیر

اے اللہ تُو تو کسی کا محتاج نہیں ہے۔ تو مختار کل ہے۔ اگر تو مجھ جیسے گنہگار کے گناہ بخشدے تو تیرا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں ہے۔ لہذا تو میرے گناہوں کو بخش دے لیکن اگر مقدمہ ہی چلانا ضروری ہے تو فرمایا کہ :

یا اگر بینی حسابم ناگزیر ... از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

اگر مجھ پر مقدمہ چلانا ضروری ہے تو رسول اللہ ﷺ کے سامنے نہ چلائیے۔ میں ان کے سامنے شرمندہ ہونا نہیں چاہتا۔ فرمایا کہ :

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر ... روز محشر عذرہائے من پذیر

یا اگر بینی حسابم ناگزیر ... از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

وہ آدمی کہتا ہے کہ مجھے کیوں شرمندہ کیا جا رہا ہے؟ سیدھے جہنم میں بھیجدیتے۔ لیکن چونکہ خدا کا حکم ہوگا اس لئے فرشتے اسکو لیکر اللہ کی عدالت میں پہنچیں گے۔ اللہ تعالیٰ بھری عدالت میں فرمائیں گے کہ اے فلاں! جا ہم نے تجھکو تیری نیکی کی وجہ سے بخش دیا۔ وہ حیران ہو کر کہے گا اے اللہ! تیری شان تو بڑی بے نیاز ہے۔ تو بڑے مجرموں کو بھی بخش سکتا ہے لیکن اے اللہ! ذرا یہ بتادے کہ میری وہ نیکی کونسی ہے کہ

ہے۔ ہاں! وہ حقوق اللہ معاف ہو جاتے ہیں کہ جس میں غلطی تو ہوگی لیکن اسکی ادائیگی کا کوئی طریقہ شریعت نے نہیں بتایا ہے یا وہ گناہ صغیرہ ہے۔

تو یہ جو ہم کسی کیلئے قرآن کریم پڑھ کر بخشتے ہیں، دعا۔ مغفرت کرتے ہیں یا خود اس میت کے پاس ایسی نیکی ہے جو گناہوں کیلئے کفارہ بنتی ہے مثلاً عاشورہ کا ایک روزہ رکھا ہے جو سال بھر کے گناہوں کیلئے کفارہ ہو جاتا ہے۔ ان تمام چیزوں سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اور جو حقوق العباد ہیں وہ معاف نہیں ہوتے وہ تو ادا کرنا ہی ہے۔ لہذا حقوق العباد میں پوری احتیاط کرنی چاہئے۔

حقوق العباد کی اہمیت یہی وجہ ہے کہ اسلام عبادت و بندگی اور تقوی کو اتنی اہمیت نہیں دیتا جتنی اہمیت حقوق العباد کو دیتا ہے۔ اسلام اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ ہمیشہ زندگی میں حقوق العباد کو سامنے رکھو ہمیشہ اس کا خیال رکھو کہ تمہیں کسی بندے کا حق تلفی نہ ہو جائے یہاں تک کہ اگر حقوق اللہ اور حقوق العباد کے درمیان مقابلہ ہو جائے یعنی ایک طرف خدا کا حق ہو اور ایک طرف بندے کا حق ہو تو بندے کے حق کو مقدم رکھو۔

اسی طرح اگر آپ کے اوپر دو قرضہ ہے۔ ایک قرضہ ایسے آدمی کا ہے جو صرف دو سو روپے ماہوار کا ملازم ہے وہ بیچارہ حاجتمند ہے اور ایک قرضہ آپ کے اوپر ایسے آدمی کا ہے جو لکھ پتی ہے۔ اب اگر آپ کے پاس اتنی تھوڑی سی رقم آئی کہ جس سے صرف ایک قرضہ ادا کیا جا سکتا ہے تو کیا دو سو روپے والے حاجتمند کو دیں گے یا لکھ پتی کو دیں گے؟

بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو صاحب بڑے مرتبہ کے آدمی ہیں، لکھ پتی ہیں پہلے ان کا قرضہ ادا کرنا چاہئے۔ لیکن نہیں۔ یاد رکھئے! ادائیگی کیلئے جو بنیاد ہے وہ بڑا ہونا نہیں ہے بلکہ حاجتمند ہونا ہے۔ لکھ پتی سیٹھ حاجت مند نہیں ہے لیکن یہ دو سو روپے پانے

والا حاجت مند ہے لہذا حاجتمند ہونے کی بنیاد پر پہلے اس کو ادا کرو لکوچی کا بعد میں دیکھا جائے گا، اس کے گھر میں فاقہ تھوڑا ہی ہوتا ہے۔

اب آپ کی سمجھ میں بات آگئی ہوگی کہ اگر حق اللہ اور حق العبد دونوں جمع ہوجائیں تو ظاہر ہے کہ عظمت تو خدا کی ہے لیکن علمائے کرام فرماتے ہیں کہ تم نے اللہ کا حق ادا نہیں کیا تو اسکی خدائی میں کوئی کمی نہیں آئے گی، اسکی شان پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لیکن اگر بندے کا حق ادا نہیں کیا تو وہ بیچارہ مارا جائے گا لہذا پہلے بندے کا حق ادا کرو خدا کا حق بعد میں دیکھا جائے گا ہو سکتا ہے کہ معاف کر دے۔

ایک مثال مثال کے طور پر آپ کے اوپر قرضہ ہے اور اسکے ساتھ ساتھ آپ کے پاس کچھ رقم بھی ہے اور اس پر سال بھر گزر گیا ہے تو زکوۃ واجب ہوگئی حج آپ کے اوپر فرض ہوگیا۔ اب آپ یہ سوچتے ہیں کہ خدا کے حق کا تقاضا یہ ہے کہ زکوۃ ادا کروں حج کروں لیکن بندے کے حق کا تقاضا یہ ہے کہ قرضہ ادا کروں۔ اب میں کیا کروں شریعت اسلامیہ آپ کو یہ حکم دیتی ہے کہ تم زکوۃ کی فکر نہ کرو حج کی فکر نہ کرو سب سے پہلے بندے کا حق ادا کرو اسکا قرضہ ادا کرو اس کے بعد اگر زکوۃ کیلئے رقم نہیں بچتی ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لئے کہ جب آپ نے وہ رقم پوری کی پوری قرضے میں ادا کردی تو اب آپ کے اوپر زکوۃ واجب نہیں رہی، اب آپ کے اوپر حج بھی فرض نہیں رہا۔ اسلام یہ کہتا کہ پہلے تم زکوۃ ادا کرو پہلے تم حج ادا کرو پھر جو بچے وہ قرضہ میں دے دینا نہیں، فرمایا کہ حقوق العباد پہلے اور حقوق اللہ بعد میں۔

تقوی کا معیار سفید پوشی نہیں ہے میرے دوستو! جب شریعت اسلامیہ نے حقوق العباد کو اتنی اہمیت دی ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کے تقوی کا معیار نفلیں پڑھنا نہیں ہے، زیادہ تلاوت کرنا نہیں ہے سفر کرتا پھرنا نہیں ہے، تقوی کا

معیار انسانوں کے حقوق ادا کرنا ہے۔ اگر ایک انسان نفل عبادتیں تو بہت کرتا ہے لیکن حقوق العباد کو پامال کرتا ہے۔ اسکی کوئی اہمیت نہیں دیتا تو وہ شریعت کی نظر میں متقی اور پرہیز گار نہیں ہے۔ اسکی زندگی کو تقویٰ کی زندگی نہیں کہہ سکتے۔ ایسی زندگی گذارنے والے بہت سے لوگ ہیں۔

مولانا تھانوی کی عینی شہادت حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک صاحب کانپتے ہوئے۔ گھبراتے ہوئے میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے کہا، کیا ہوا بھائی، کہنے لگے۔ حضور۔ مجھ سے گناہ ہو گیا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ یہ کوئی عابد وزاہد آدمی ہے کہ اس سے ایک گناہ سرزد ہو گیا ہے جس کی وجہ سے بہت بے چین ہے۔ مولانا نے پوچھا۔ کیا گناہ ہو گیا ہے؟ کہنے لگے۔ حضور، میں ہوٹل سے کھانا کھا کر جا رہا تھا کہ راستے میں ایک چھپر (پھوس کا چھت) ملا۔ میں نے اس کے مالک سے اجازت لئے بغیر اس میں سے دانت کریدنے کیلئے ایک تنکا توڑ لیا۔ مولانا نے فرمایا۔ آپ بے فکر رہئے یہ کوئی گناہ نہیں ہے۔ یہ کوئی تقویٰ کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن مولانا فرمانے لگے کہ اسکی بات میرے دل کو نہیں لگی کہ واقعی اتنا بڑا متقی ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر ایک تنکا بھی توڑنے کو گناہ سمجھتا ہے مجھے ایسا محسوس ہوا کہ شاید یہ بناوٹ کر رہا ہے۔ فرمایا کہ ایک ہفتہ کے بعد یہ پتہ چلا کہ وہی آدمی جو چھپر (چھت) میں سے تنکا توڑ کر کانپ رہا تھا کہ گناہ ہو گیا جس کے پاس سے دودھ لیتا تھا اس کے پیسے لیکر بھاگ گیا۔

تقویٰ کی حقیقت میرے دوستو، آجکل کے لوگوں کا جو تقویٰ ہے وہ یہی ہے کہ نمازیں تو بہت پڑھیں گے۔ ہمیشہ نوافل میں مشغول رہیں گے۔ تلاوت بہت کریں گے لیکن قدم قدم پر انسانوں کے حقوق پامال کرتے پھریں گے۔ آپ کسی جگہ بیٹھ کر زور زور سے قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔ پاس ہی ایک مریض لیٹا ہوا ہے۔ آپ اتنی زور سے تلاوت کر رہے ہیں کہ آپ کی آواز سے اس کو تکلیف ہو رہی ہے۔ آپ تو یہ سمجھ

پسند کرلیا لیکن کسی ڈالی اور کسی شاخ پر بوجھ بننا پسند نہیں کیا۔ یہ ہے مومن کی نشانی:
لہٰذا اگر کامل مومن بننا چاہتے ہو تو اپنے رشتہ داروں پر بوجھ نہ ہو، اپنے دوستوں پر بوجھ نہ
ہو، اپنے پڑوسیوں پر بوجھ نہ ہو۔ لوگوں کے ساتھ برتاؤ ایسا ہونا چاہیے کہ تمہیں دیکھ کر انکا
دل خوش ہو جائے۔ تمہاری وجہ سے کسی کا دل رنجیدہ نہ ہو۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی معافی خیر! تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حقوق العباد
کی بڑی اہمیت ہے۔ حقوق العباد کی حفاظت کرنے والے ہی درحقیقت متقی اور پرہیزگار
ہیں۔ کیونکہ یہ توبہ کے باوجود معاف نہیں ہوتے۔ البتہ وہ حقوق اللہ کہ جنکی ادائیگی کی
کوئی شکل نہیں ہے۔ جنکا کوئی کفارہ نہیں ہے۔ وہ توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں مثلاً
کسی نے شراب پی لی اس نے اللہ کے حق کے خلاف کیا مگر اسکی ادائیگی کی کوئی شکل
نہیں ہے۔ اب اگر وہ شخص توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے۔ اور وہ حقوق
اللہ کہ جنکی ادائیگی کی متبادل شکل شریعت نے تجویز کردی ہے وہ ادائیگی کے بغیر
معاف نہیں ہوتے۔ مثلاً آپ کی نماز قضا ہو گئی تو اس کا طریقہ نماز کو کسی طرح ادا کرنا
ہے۔ اور اگر زندگی میں وقت نہ ملے تو اسکا بھی بہت آسان طریقہ ہے۔

جہالت کی انتہاء مثال کے طور پر آپ کی عمر ساٹھ (۶۰) سال کی ہو گئی ہے اور آپ
کو یہ معلوم ہے کہ میری بیس (۲۰) سال کی نمازیں قضاء ہو گئی ہیں تو قضاء عمری کرلیں۔
بعض یار لوگوں نے تو بڑا آسان ساننجہ تجویز کرلیا ہے۔ وہ لوگ یہ بتاتے ہیں کہ ارے
بھائی! دو رکعت نماز قضاء عمری کی نیت سے پڑھ لو بیس (۲۰) سال کی نمازیں معاف
ہو جائیں گی۔ میں نے کہا، بھائی! اسلام میں ایسی کوئی نماز قضاء عمری کے نام سے نہیں
ہے۔ جو بیس سال کی نمازیں معاف کردے۔ اسی طرح میمن خاندان کے بعض لوگوں
نے مجھ سے ذکر کیا کہ صاحب! اب تک ہم اس غلط فہمی میں تھے کہ جب ہم نے ایک رقم
پر زکوٰۃ ادا کردی تو وہ رقم تو پاک ہو گئی اس لئے اسکو الگ کر کے رکھ لیا اب اگلے سال جو

زکوٰۃ دیں گے تو اس پر تو نہیں دینا ہوگی کیونکہ وہ تو چیز ہو گئی ہے اب دوسری پر تو زکوٰۃ دیں گے۔ میں نے کہا بھائی! یہ مسئلہ تمہیں کس نے بتا دیا؟ یہ تو غلط ہے۔ جتنا بھی ہے سب پورے کا پورا، تم پر زکوٰۃ دینا واجب ہے۔

قضائے عمری کا طریقہ

تو میں قضاء عمری کے متعلق عرض کر رہا تھا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میری عمر ساٹھ (۶۰) سال کی ہو گئی ہے اور بیس (۲۰) سال کی نمازیں مجھ پر واجب ہیں۔ تو بیس سال اور بہت ہی تھوڑا ہے کہ اگر آپ یہ معمول بنا لیں کہ ہر نماز کے ساتھ ایک قضا نماز ادا کر لیں۔ آپ نے آج کی فجر کی نماز پڑھی اس کے ساتھ دو رکعت اور پڑھ لیں اس نیت سے کہ میرے ذمہ جو سب سے پہلی فجر کی نماز ہے جس کی قضا کر رہا ہوں۔ اسی طرح ظہر کے ساتھ ظہر، عصر کے ساتھ عصر، مغرب کے ساتھ مغرب اور عشاء کے ساتھ عشاء کی نماز قضا پڑھ لیں۔ ایک دن میں آپ کی پانچ نمازیں ہو گئیں اور معاملہ ہے بیس سال کا۔ علماء نے لکھا ہے کہ جس دن سے آپ نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ میں نے جو سلسلہ شروع کیا ہے یہ بیس سال کی نمازوں کی ادائیگی کی نیت سے شروع کیا ہے اس دن سے تو فرض بھی بچتا ہے۔ اب اگر خدانخواستہ دو (۲) چار (۴) سال میں ہی آپ کا انتقال ہو جائے تو باقی نمازیں اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے اس لئے کہ آپ نے تو پوری نمازیں ادا کرنے کا عزم کر لیا تھا لیکن قدرت کی طرف سے وقت ہی نہیں ملا۔

عزم صمیم پر ثواب مرتب ہو جاتا ہے

معلوم ہوا کہ جب آدمی کسی نیکی کا عزم اور ارادہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ ثواب اس پر عطا فرما دیتے ہیں۔ کسی شخص نے حج کا ارادہ کیا اور ٹکٹ لے کر جہاز میں بیٹھ گیا، اچانک جہاز میں ہی حادثہ ہو گیا اور اس کا انتقال ہو گیا، اللہ تعالیٰ حج کا پورا ثواب دے گا۔ اس لئے کہ اس بیچارے نے تو حج کیلئے جتنا کرنا تھا وہ کر لیا تھا لیکن قدرت کو منظور نہیں تھا اس لئے پہنچ نہیں سکا۔

یوم عاشورہ کے اعمال خیر: تو بات اس پر چل پڑی تھی کہ عاشورہ کا روزہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ مگر یہ گناہ گناہ صغیرہ ہے۔ عاشورہ کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ اس دن اپنے اپنے گھروں میں کھانا پکانے میں فراخ دلی اور وسعت سے کام لیں تاکہ غرباء و مساکین کو بھی دے سکیں اور گھر والوں کو بھی افراط کے ساتھ کھلا سکیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ عاشورہ کے دن اگر آپ اپنے اہل و عیال کے لئے کھانے میں وسعت کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کیلئے پورے سال کی روزی میں وسعت فرمائیں گے۔ یہ دو فضیلتیں ہو گئیں۔

وصال نبی کے پچاس سال بعد پھر جب حضور اکرم ﷺ کے وصال کے پچاس (۵۰) سال گذر گئے تو اس کے بعد ۶۱ھ میں اسی دن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ چونکہ وقت کی کمی ہے اس لئے اس وقت مجھے واقعہ کی تفصیل عرض کرنا نہیں ہے مگر میں صرف اتنی سی بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کی پوری تاریخ قربانیوں اور شہادتوں سے بھری پڑی ہے، اور ہمیں فخر ہے کہ ہماری تاریخ اسلام کیلئے مرمٹنے والوں کے خون سے رنگین ہے۔ اسی لئے علامہ اقبال نے تعریف کرتے ہوئے کہا ہے۔ فرمایا کہ ؂

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستان حرم
نہایت اسکی حسینؓ، ابتداء ہے اسماعیلؑ

اسلام سرفروشوں کا دین ہے یہ زنانوں کا دین نہیں ہے، یہ چوڑیاں پہننے والوں کا دین نہیں ہے، یہ اس قوم کا دین ہے کہ جو اپنے ناموس اور اپنی عزت کی حفاظت کیلئے، اپنی شریعت کی حفاظت کیلئے خاک و خون سے کھیلتے ہیں، ہمیں شہداء کربلا کی قربانیوں کے اوپر فخر ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اسلام کے ایک اصول کی حفاظت کیلئے، دین کے ایک اصول کی حفاظت کیلئے عظیم الشان قربانی دی ہے آج

ہماری یہ حالت ہے کہ اگر ہمیں کوئی گالی دے دے تو ہم لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں
اگر ہم سے کوئی پیسے چھین لے یا پیسہ لیکر نہ دے تو ہم اس قدر غصے ہونے کو تیار
ہو جاتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں کوئی شک باقی نہیں کہ آج قوم موجود ہے لیکن جب ہم اپنی
آنکھوں سے یہ دیکھتے ہیں کہ شریعت کو ذبح کیا جا رہا ہے، دین کو ذبح کیا جا رہا ہے، سنت
رسول کو مٹایا جا رہا ہے تو معاف کیجئے کہ ہم لوگ یہ کہتے ہوئے آنکھیں چرا کر نکل
جاتے ہیں کہ یہ کام مولوی صاحب کا ہے، ہمارا کام نہیں ہے، پیچھے ہٹتے ہیں۔

حضرت حسینؓ نے جہاد کیوں کیا؟ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے
صرف اس بنیاد پر جہاد کیا کہ اسلام نے جو نظام حکومت ہمیں دیا ہے اس میں سربراہ
مملکت اور حاکم مسلمانوں کی رائے اور مشورے سے آتا ہے وراثت کے طور پر نہیں آتا
وراثت کا طریقہ قیصر و کسریٰ کا طریقہ ہے، یہودیوں اور نصرانیوں کا طریقہ ہے۔ اور حضور
اکرم ﷺ نے جو دین ہمیں دیا ہے اس کی ہر بات یہود و نصاریٰ سے الگ ہے
مشرکین سے الگ ہے۔ تفصیل کا وقت نہیں ہے لیکن اگر آپ غور کریں گے تو معلوم
ہو جائیگا۔

مسلمان اور یہودی کی نماز میں فرق مثلاً نماز یہودی بھی پڑھتے ہیں اور مسلمان
بھی پڑھتے ہیں لیکن دونوں کی نمازوں میں بہت فرق ہے، یہودیوں کی نماز میں امام بالکل
الگ کھڑا ہوتا ہے اس کیلئے سامنے بالکل الگ ایک کمرہ بنا دیتے ہیں وہ وہاں پر کھڑا
ہوتا ہے اور پیچھے الگ سے مقتدی کھڑے ہوتے ہیں۔ اسلام میں اس طریقے سے نماز
پڑھنا جائز نہیں ہے امام کو ایسی جگہ پر کھڑا ہونا چاہئے کہ جہاں سے دائیں بائیں کے
نمازی امام کو دیکھ سکیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے اندر بھی یہود کا طریقہ اور ہے، مسلمانوں کا
طریقہ اور ہے۔ اور مشرکوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جیسے ہی آفتاب نکلا سجدہ کیا،

آفتاب غروب ہوا سجدہ کیا، زوال کا وقت آیا سجدہ کیا۔ اسلام نے کہا کہ ان تینوں وقتوں میں سجدہ حرام ہے۔ ان تینوں اوقات میں ہمارے یہاں سجدہ اس لئے حرام قرار دیا گیا تاکہ مشرکوں کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو۔

واقعہ کربلا منظر، پس منظر حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب یہ دیکھا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں زمام حکومت ہوا جارہا ہے یعنی باپ کے بعد بیٹے کو حاکم بنایا جارہا ہے تو فرمایا کہ میرے نانا جان جو دین کی امانت چھوڑ کر گئے ہیں اسکی حفاظت کیلئے میں اپنی جان دے سکتا ہوں مگر نانا جان کے دین اور ان کی سنت کو مٹتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ چنانچہ وہ بہتر (۷۲) جاں نثاروں کو لیکر جو جہاد کیلئے تشریف لے گئے اس کا مقصد یہی تھا۔

حضرت حسینؓ کا پیغام مسلمانوں کے نام جسکا مطلب یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے نناک وقتوں میں تڑپ کر اپنا سر اپنے جسم سے جدا کروا کر قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی کہ اے مسلمانو! اللہ کے دین کی حفاظت کا یہی طریقہ ہے جو میں نے نناک وقت میں تڑپ کر تمہیں دکھادیا ہے۔ اور جب مسلمان دین کی حفاظت کیلئے قربانی دیتا ہے تو پھر دین کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی ہوتی ہے۔ اللہ کا دین فروغ پاتا ہے اور اللہ کے دین کو شوکت حاصل ہوتی ہے۔

غرضیکہ حضرت حسین اور شہدائے کربلا رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسلام اور اس کے اصولوں کی حفاظت کی خاطر قربانی دی تھی۔ آج ان کے نشانات ہمیں دین کی حفاظت کا سبق دے رہے ہیں۔"

قافلۂ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

آیئے ہم سب ملکر ان کیلئے دعا کریں کہ اے اللہ! شہداء کربلا کو کروٹ کروٹ

معرکہ حق و باطل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ

وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

سورۃ مائدہ

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

تمہید بزرگان محترم اور برادران عزیز! جب سے اسلامی سن اور اسلامی سال شروع ہوا ہے اور محرم الحرام کا مہینہ آتا ہے تو تقریباً جیسے پچھلے سال سے آپ نے یعنی پورے دس دن جلسے اور اجتماعات منعقد ہوتے ہیں تاکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور ان کی عظیم قربانی پر خراج عقیدت پیش کریں۔

چونکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا تعلق کسی ایک گروہ یا کسی فرقے سے نہیں ہے وہ سرکار دو عالم ﷺ کے لخت جگر اور آپ ﷺ کے نواسے ہیں اس لئے روئے زمین کا کوئی کلمہ گو مسلمان ایسا نہیں ہوگا جس کے دل میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور ان کی قربانی کا احترام نہ ہو، اس لئے ان جلسوں سے ایک طرف تو ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم ان کی شہادت عظمیٰ پر خراج عقیدت اور خراج تحسین پیش کریں اور دوسری طرف یہ مقصد بھی ہوتا ہے کہ ہم اس واقعہ سے سبق حاصل کریں۔

دنیا کی ہر شئی میں انسان کے لئے رہنمائی ہے۔ اس لئے کہ دنیا میں کوئی واقعہ ایسا نہیں ہے کہ جس سے انسانوں کو سبق نہ ملتا ہو۔ وہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ ہوتا ہے یا وہ کوئی اہم واقعہ ہو۔ سبق حاصل کرنے والے ہر اس چیز سے سبق حاصل کر لیتے ہیں جو ان کے آنکھوں کے سامنے ہو۔ آپ نے دیکھا کہ جب آپ پتھر، لوہا وغیرہ دریا میں ڈالتے ہیں تو سب ڈوب جاتے ہیں۔ چھوٹی سی ٹکڑی (تیر) بھی ڈوب جاتا ہے لیکن اگر آپ اس سے زیادہ بھاری لکڑی کے تختے اور درختوں کے تنے ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ وہ نہیں ڈوبے گا بلکہ تیرتا رہے گا۔ اللہ کا ایک بندہ کہتا ہے کہ کیا تم نے اس پر کبھی غور کیا ہے کہ کیا معاملہ ہے؟ یہ بھی ہمیں سبق دیتا ہے۔ فرمایا کہ

چوب را آب فرو می نبرد حکمت چیست؟

شرم دارد ز فرو بردن پروردہ خویش

پانی جو لکڑی کو نہیں ڈبوتا ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ پانی کو شرم آتی ہے کہ لکڑی کا وجود تو میرے وجود کے ذریعہ ہوا ہے جس نے اس کو شجر درخت بنایا ہے جس نے اس کو لکڑی بنایا ہے اور جس کو خود میں نے پالا ہے اس کو ڈبوتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ اس لئے پانی لکڑی کو نہیں ڈبوتا۔ کتنا اعلیٰ سبق اس سے ملا۔ فرمایا کہ

چوب را آب فرو می نبرد حکمت چیست؟

شرم دارد ز فرو بردن پروردہ خویش

خنزیر سے انسان کو کیا سبق ملتا ہے؟ تو میں نے یہ عرض کیا کہ ہر چیز سے سبق حاصل ہوتا ہے۔ خلفائے بنو عباسیہ کے زمانے میں ایک خلیفہ نے بعض اہل دانش اور علماء سے یہ سوال کیا کہ آپ کہتے ہیں کہ ہم نے ہر چیز سے سبق حاصل کیا ہے اور ہر چیز ہم کو سبق دیتی ہے تو یہ بتائیے کہ خنزیر سے آپ نے کیا سبق حاصل کیا؟ یہ جانور نجس عین ہے سب جانوروں سے زیادہ گندہ اور غلیظ ہے اسلام میں اس جانور سے سب سے

زیادہ نفرت کی گئی ہے۔ اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔ کیا اس سے بھی آپ نے کوئی سبق حاصل کی ہے؟ انھوں نے کہا ہاں ہم نے اس جانور سے بھی سبق حاصل کیا ہے۔ اس جانور سے ہم نے یہ سبق حاصل کیا ہے کہ ہمیشہ سے علی الصبح بیدار ہو جاؤ۔ کیونکہ یہ جانور انسانوں کی غلاظت اور گندگی کھاتا ہے اس لئے یہ بہت سویرے اٹھنے کا عادی ہے۔ اگر یہ سویرے نہ اٹھے تو اپنی خوراک اور اپنی غذا سے محروم ہو جائے گا۔ اس سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ جب یہ جانور اتنا سویرے اٹھتا ہے اور اس کی خوراک اور غذا ہماری غلاظت میں ہے تو ہمیں اس سے بھی جلدی اٹھنا چاہئے۔

جب دنیا کے ہر واقعہ سے خواہ وہ چھوٹا ہو خواہ وہ بڑا ہو سبق حاصل ہوتا ہے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت عظمیٰ اور تاریخ اسلام کے اس نادر واقعہ سے مسلمانوں کو سبق حاصل نہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس واقعہ کے اندر بھی ہمارے اور آپ کیلئے بڑی بڑی عبرتیں بڑے بڑے اسباق اور بڑی بڑی نصیحتیں ہیں۔

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی ہوتی تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ کے اس محلہ میں تقریباً بیس پچیس سال سے جلسے اور اجتماعات کا یہ طریقہ چلا آ رہا ہے اور اس کے منتظمین مجھے بھی تقریباً ہر سال دعوت دیتے رہے ہیں اور میں حاضر ہوتا رہا ہوں مگر سال گذشتہ میں حاضر نہ ہو سکا۔ ایک صاحب نے مجھے اسکی یاد دلائی۔ مجھے پوری بات تو یاد نہیں ہے لیکن میرا خیال یہ ہے کہ اس میں صرف میری طرف سے کوتاہی نہیں ہوئی تھی بلکہ بعض منتظمین نے آکر جب یہ بات کہی کہ فلاں فلاں تاریخیں ملنی چاہئیں تو میں نے کہا آپ تاخیر سے آئے ہیں یہ تاریخیں میں پشاور والوں دے چکا ہوں اس لئے میں ان تاریخوں میں نہیں آسکتا۔ کوئی اور تاریخ رکھیں میں آتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ پورے عشرہ کا پروگرام ہم بنا چکے ہیں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے جب آپ پروگرام بنا چکے ہیں تو اس مرتبہ میری حاضری نہیں ہوئی انشاء اللہ آئندہ سال سے دیکھا

جائے گا۔ تو گویا یہ صرف میری طرف سے ہی نہیں تھی اس میں کچھ منتظمین حضرات کی بھی بات تھی۔

بہرحال: گذشتہ سال میں حاضر نہیں ہو سکا اس سال جب دوستوں نے درخواست کی تو میں معمول کے مطابق حاضر ہوگیا۔ اور جیسا کہ معمول ہے کہ اس عشرہ میں دو دن میرے لئے رکھے جاتے ہیں۔ آج بھی اور آنے والے کل بھی۔ میں دعا کرتا ہوں کہ ان دونوں راتوں کے اندر اور ان دونوں مجلسوں کے اندر اللہ تعالیٰ مجھے حق بات کہنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

یوم عاشورہ میں جلسے کیوں کرتے ہیں؟ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ان جلسوں سے ہمارے دو مقصد ہیں ایک حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت عظمیٰ پر خراج عقیدت اور نذرانہ عقیدت پیش کرنا اور دوسرے اس سے سبق حاصل کرنا۔ اس کیلئے سب سے پہلے ہم اور آپ اس بات پر غور کریں کہ اس دنیا میں اور اس کائنات میں صرف ایک طرح کی مخلوق نہیں ہے۔ اس میں رنگا رنگ اور مختلف قسم کی مخلوقات ہیں، بالکل اسی طریقہ سے کہ جس طرح کسی چمن اور کسی باغ میں صرف ایک رنگ کا پھول نہیں ہوتا ہزاروں رنگ کے پھول ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ ؎

گلہائے رنگارنگ سے ہے زینت چمن
اے ذوق! اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

کائنات میں مختلف صفتوں کی مخلوقات ہیں اللہ تعالیٰ نے مختلف مخلوقات پیدا فرمائیں، ان میں کچھ ایسی مخلوق بھی ہے جو خالص خیر ہی خیر ہے اس میں شر کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے اور بعض مخلوقات ایسی ہیں کہ جو سرتاپا شر ہی شر ہیں ان میں خیر کا کوئی پہلو نہیں ہے اور بعض مخلوقات ایسی ہیں کہ جن میں دونوں پہلو موجود ہیں۔ آپ چاہیں تو انہیں خیر بنادیں اور آپ چاہیں تو انہیں شر بنادیں۔ وہ مخلوق جو خالص خیر ہیں

وہ ملائکۃ اللہ اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور وہ مخلوق جو خالص شر ہیں جن میں خیر کا کوئی پہلو نہیں ہے وہ ابلیس و شیاطین ہیں۔ ان دونوں قسم کے مخلوق کے علاوہ وہ جتنی بھی مخلوقات ہیں ان کے اندر خیر کا پہلو بھی ہے، شر کا پہلو بھی ہے۔ یہ ہمارے اور آپ کے رویے کے اوپر ہے کہ ہم انہیں خیر بناتے ہیں یا شر بناتے ہیں۔

مال میں خیر و شر دونوں پہلو پایا جاتا ہے

مثلاً دولت ہے، یہ خیر بھی ہے شر بھی ہے۔ حدیث میں آتا ہے "نعم المال الصالح للرجل الصالح"۔ (۱)۔ مال ایک چیز ایسا ہے جیسا بے رنگ پانی، جس میں کوئی رنگ نہیں ہے۔ مثلاً اگر یہ دیکھو کہ اگر یہ نیک آدمی کے پاس ہے تو یہ مال بھی نیک ہے اور اگر یہ برے آدمی کے پاس ہے تو یہ مال بھی برا ہے۔ اگر کوئی اس کو نیکی میں خرچ کر رہا ہے تو یہ مال بھی نیک ہے اور اگر برائی میں خرچ کر رہا ہے۔ معصیت اور نافرمانی میں خرچ کر رہا ہے تو یہ خیر نہیں، شر ہے۔ تو سکہ وہی ہے۔ نوٹ وہی ہے۔ سونا وہی ہے مگر ان کی حیثیت اور استعمال میں فرق ہے۔

ایک نواب صاحب اور بنیا کی دلچسپ کہانی

ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک نواب صاحب تھے۔ اور وہ بڑے طمطراق اور بڑے شان و شوکت کے نواب تھے۔ ہمیشہ ان کے ساتھ نوکر چاکر، حشم خدم رہتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ سمندری جہاز میں کہیں جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ ایک بنیا بھی سفر کر رہا تھا۔ وہ بنیا بہت بڑا دولت مند تھا اور اس کی آمدنی نواب صاحب سے تقریباً آٹھ گنی زیادہ تھی، لیکن پورے جہاز میں نہ کوئی اسے پوچھنے والا تھا نہ کوئی سلام کرنے والا تھا۔ کوئی جاننے والا نہیں تھا۔ بنیا یہ سوچنے لگا کہ دولت میرے پاس زیادہ ہے، بچے میرے پاس زیادہ ہے اور اس نواب صاحب کی آمدنی مجھ سے بہت کم ہے لیکن مجھے تو کوئی سلام بھی نہیں کرتے اور نواب صاحب کی

---

(۱) مشکوٰۃ ص [illegible]

اتنی شان و شوکت ہو رہی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

قارون جب زمین میں دھنس رہا تھا تو........

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ دولت کے ذریعہ یا کسی کو سونا چاندی دے کر کسی کی عزت نہیں ہوتی۔ اگر دولت کی وجہ سے کسی کی عزت ہوا کرتی تو دنیا میں سب سے زیادہ مقبول اور باعزت انسان قارون ہوتا۔ لیکن قارون کا ساتھ دینے والا اور اس کی عزت کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ جب وہ اپنے خزانے کے ساتھ زمین میں دھنس رہا تھا تو لوگوں نے کیا کہا؟ لوگوں نے یہ کہا کہ اے اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے ہمیں قارون نہیں بنایا ورنہ ہمارا بھی یہی حشر ہوتا جو اس کا ہو رہا ہے۔

دہلی کا آنکھوں دیکھا حال

اور یہ واقعہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ دہلی میں جس زمانے میں ٹرام (Tram) چلتی تھی۔ جیسے یہاں بھی ٹرام ہوتی تھی۔ اس میں بیٹھنے کی سیٹیں لمبی لمبی ہوتی تھیں۔ میں ٹرام میں بیٹھا ہوا تھا کہ دیکھا ایک مارواڑی ہندو جو گلے میں سونا پہن رکھا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ کوئی بہت بڑا دولت مند ہے وہ ایک سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن سیدھا نہیں بیٹھا ہوا تھا ترچھا بیٹھا ہوا تھا۔ ایک صاحب ٹرام میں چڑھے اور چڑھ کر انہوں نے جگہ تلاش کرنے کیلئے ادھر ادھر دیکھا۔ جب ان کی نظر اس مارواڑی پر پڑی تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ جو ٹیڑھا بیٹھا ہوا ہے اگر سیدھا بیٹھ جائے تو جگہ ہو جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے اس مارواڑی سے کہا کہ بھائی! ذرا تو سیدھا ہو کر بیٹھ جا۔ اس نے کہا: نہیں! یہاں پر جگہ نہیں ہے۔ انہوں نے کہا اچھا! پھر میں نے خود دیکھا کہ وہ مسلم تھوڑی سی جگہ میں بیٹھ گیا اور بیٹھ کر اتنا زور سے دھکا دیا کہ وہ مارواڑی پیچھے گر گیا۔ پھر اس نے کہا اب جگہ ہو گئی حالانکہ اس نے بھی یہ دیکھا تھا کہ اس مارواڑی کے پاس سونے کے زیورات ہیں، یہ دولت مند آدمی ہے مگر کوئی قدر نہیں تھا اس کے دل میں۔

انھوں نے کہا: اچھا! کل ہمارے یہاں آپ کی دعوت ہے۔ نواب صاحب نے دعوت قبول کرلی۔ اب جو نواب صاحب کھانا کھانے کیلئے گئے تو دیکھا کہ وہاں پر حشم خدم نوکر چاکر بھی ان کے ساتھ کھڑے ہیں۔ نواب صاحب کھانا کھا چکے تو لالہ صاحب نے آواز دیکر کہا۔ آواز بھی برابر نہیں نکلی۔ لالہ جی نے نوکروں سے کہا کہ نواب صاحب کو اٹھا کر باہر پھینک دو۔ تو نواب صاحب نے جو گھور کر دیکھا تو کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ کچھ کرسکے۔ وہ وہیں کے وہیں بیٹھے رہے۔ نواب صاحب نے کہا: لالہ جی! آپ نے دیکھ لیا کہ ہاتھ ہاتھ کا کیا فرق ہے؟ یہی دولت آپ کے پاس ہے تو بزدلی پیدا کرتی ہے اور یہی دولت میرے پاس ہے تو جرات پیدا کرتی ہے۔ تو پیسہ وہی ہے لیکن ہر جگہ اس کی تاثیر اور خاصیت الگ الگ ہے۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حدیث میں آتا ہے۔

"نعم المال الصالح للرجل الصالح"

حضرت عثمانؓ کا لقب غنی کیسے اور کیوں؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا لقب "غنی" ہے۔ غنی کے معنی ہیں صاحب ثروت اور صاحب دولت۔ لیکن مسلمان اس بات پر فخر نہیں کرتا کہ وہ صاحب دولت و ثروت ہے۔ ایک فرشتہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آکر یہ عرض کرتا ہے کہ اگر آپ اجازت دیں تو احد کے پہاڑ کو سونے کا بنا دیا جائے اور جہاں جہاں آپ جائیں آپ کی مالی ضرورت پوری کرنے کیلئے یہ پہاڑ آپ کے ساتھ ساتھ چلے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں دنیا میں سونے چاندی کے پہاڑ جمع کرنے کیلئے نہیں آیا ہوں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ایک وقت کھانا کھاؤں اور دوسرے وقت فاقہ کروں تاکہ آنے والی امت کو یہ سبق یاد رہے۔ مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جو غنی کا لقب دیا گیا ہے وہ مال کے غنا کے اعتبار سے نہیں بلکہ دل کے غنا کے اعتبار سے دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ جن کے ہاتھ میں پیسہ نہیں ہوتا ان میں سخاوت کا مادہ ہوتا ہے اور جن لوگوں کے اندر سخاوت کا مادہ

نہیں ہوتا ہے ان کی جیب میں پیسہ بہت ہوتا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا فرمایا کہ ۔

کریماں را بدست اندر درم نیست
خداوندان نعمت را کرم نیست

جن کے دلوں میں سخاوت کا مادہ ہے ان کی جیب میں پیسہ نہیں ہے۔ ان کا ہاتھ خالی ہے اور جن کے ہاتھوں میں پیسہ موجود ہے وہ اس کو قفل کر رکھتے ہیں۔ کسی کو دینا نہیں چاہتے۔ مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ساری دولت مسلمانوں کیلئے وقف تھی

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں مسلمانوں کو خاص طور پر پانی کی دقت اور پانی کی تکلیف تھی، ایک یہودی کے پاس کنواں تھا آپ نے اسے چھتیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کیلئے وقف کر دیا(۱)

اندازہ لگایئے کہ چھتیس ہزار درہم میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کنویں کو خریدا آج اس چھتیس ہزار درہم کی کیا حیثیت ہوگی؟ کیونکہ آج سے چالیس پچاس سال پہلے ایک روپیہ کی جو حیثیت تھی معاف کیجئے آج وہ بیس روپے کی ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک روپیہ کا بیس سیر آٹا آیا کرتا تھا۔ ایک روپیہ کا آٹا منگا کر ایک کنبہ والا یہ سوچتا تھا کہ ایک مہینہ کا سرمایہ جمع ہو گیا۔ جب آج بیس چالیس سال میں یہ فرق ہو گیا تو آج سے تیرہ سو سال پہلے چھتیس ہزار درہم کی حیثیت ایسی ہی ہوگی جیسی آج چھتیس کروڑ کی ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی جیب سے چھتیس ہزار درہم نکال کر کنواں خریدا اور مسلمانوں کیلئے وقف کر دیا۔ غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس سے نو سو اونٹ اور پچاس

(۱) ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۱۱

پرائمری (PRIMARY) درجہ کا پڑھنے والا طالب علم بھی کسی پی۔ ایچ۔ ڈی (P.H.D) کے طالب علم کے امتحان کی کوشش کرتا ہے اس لئے کہ اس نادان کو یہ خبر نہیں ہے کہ اتنے بڑے درجہ کی علم کا امتحان میں نہیں لے سکتا۔ اسی طرح یہ آدمی بھی آیا اور آکر حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگا کہ حضرت میرے دل میں یہ خواہش ہے کہ میں حج بیت اللہ کو جاؤں اور آپ بھی میرے ساتھ ہوں خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ فوراً کھڑے ہو گئے اور سارا کام چھوڑ دیا اور فرمایا کہ بھائی! تم نے بڑا ارادہ کیا ہے، چلو ماشاء اللہ ابھی چلو! اب وہ حیران ہے، کہنے لگا کہ حضور! یہ جو سارا کا سارا کاروبار پھیلا ہوا ہے اس کا کام آپ نے کس پر چھوڑا ہے؟ فرمانے لگے کہ بھائی! تمہیں اس کی کیا فکر ہے، جب میں دنیا میں نہیں تھا جب بھی یہ کاروبار چل رہا تھا اور جب میں دنیا میں نہیں رہوں گا جب بھی یہ کاروبار چلے گا۔ یہ تم نے کیا فکر کی! یہ تو اللہ کا کام ہے وہ کسی سے لے لے گا۔ چلو بھی نکلو کہنے لگا حضور مجھے تھوڑا وقت دیجئے۔ کم از کم میں اپنے گھر سے ایک کمبل تو لے آؤں! حضرت خواجہ صاحب کو غصہ آ گیا، بڑے صاحب کشف بزرگ تھے فرمانے لگے کہ تجھے شرم نہیں آتی۔ میں نے تو ساری سلطنت پر لات مار دی اور تو ایک کمبل چھوڑنے کے لئے بھی تیار نہیں ہے؟ تو میرا امتحان لیتا ہے؟

سیدنا فاروق اعظمؓ کا استدلال

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خزانہ کے اس ڈھیر کے سامنے کھڑے ہو کر دعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ سونے چاندی کی محبت ہمارے دلوں میں ہے ہم اس کو نکال نہیں سکتے۔ اس کا انکار کرنا قرآن کا انکار ہے کیونکہ قرآن کریم میں تو نے خود ہماری فطرت بیان کی ہے فرمایا کہ:

زين للناس حب الشهوات من النساء

والبنين والقناطير المقنطرة من الذهب والفضة

ترجمہ: خوشنما معلوم ہوتی ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت (مثلاً) عورتیں ہوئیں، بیٹے ہوئے، لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے) (معارف القرآن)

چند چیزوں کی محبت اللہ تعالیٰ نے ہماری فطرت) میں رکھ دی ہے، اولاد کی محبت رکھ دی ہے، بیویوں کی محبت رکھدی ہے، سونے چاندی کی محبت رکھ دی ہے، اور جب خدا نے ہی ان چیزوں کی محبت ہماری فطرت میں رکھ دی ہے تو ہم اور آپ کیسے انکار کر سکتے ہیں؟ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کیسی حکیمانہ دعا مانگی؛ فرمایا کہ اے اللہ! ان چیزوں کی محبت تو میرے دل میں ہے لیکن میں یہ دعا مانگتا ہوں کہ اس خزانہ میں جتنا خیر ہو وہ مجھے مل جائے اور جتنا شر ہو اس سے ہمیں پناہ دے۔

کائنات حکمت خداوندی کا مظہر ہے

تو میرے دوستو! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں۔ حق بھی پیدا کیا باطل بھی پیدا کیا، خیر بھی پیدا کیا شر بھی پیدا کیا، دن بھی پیدا کیا اور رات بھی پیدا کیا۔ اس میں اللہ کی بڑی بڑی حکمتیں ہیں، دن کی روشنی کے ساتھ ساتھ رات کی ظلمت بھی پیدا کی ہے، نور ایمان کے ساتھ ساتھ کفر کی ظلمت بھی پیدا کی ہے بلکہ جب سے اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے اسی وقت سے کفر و ایمان بالکل دو جڑواں بچے کی طرح ساتھ ساتھ پیدا ہوئے ہیں۔ اور خدا کی حکمت اور اس کارخانہ قدرت کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ صرف خیر پیدا نہ فرمائیں بلکہ ان چیزوں کو بھی پیدا فرمائیں کہ جن کو ہم شر کہتے ہیں۔

مثال سے سمجھئے

میں آپ سے یہ دریافت کرتا ہوں کہ اگر آپ ایک بہت شاندار قلعہ بنائیں، محل بنائیں، جیسا کہ کسی زمانہ میں یہ مشہور تھا کہ یہ آغا پیلس (PALACE) ہے اسی طرح اگر آپ کوئی بہت بڑا پیلس بنائیں۔ اس میں آپ نے عبادت کی جگہ بھی رکھی، کھانے کی جگہ بھی رکھی، بیٹھنے کی جگہ بھی رکھی لیکن بیت الخلاء

نہیں بنایا کیونکہ آپ نے کہا کہ توبہ توبہ یہ تو صاف ستھرا مکان ہے اس میں پاخانے کا کیا کام؟ اس لئے آپ نے بیت الخلاء نہیں بنایا۔ اب جو صاحب فن اسے دیکھ کر یہی کہے گا کہ اس کا نقشہ کسی اناڑی نے بنایا ہے۔ یہ محل تو بڑا خوبصورت ہے مگر مکمل نہیں ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس محل میں غسل خانہ بہت اچھا ہے۔ سونے کا کمرہ بہت اچھا ہے۔ بیٹھنے کا کمرہ بہت اچھا ہے۔ باورچی خانہ بہت اچھا ہے مگر اس میں بیت الخلاء نہیں ہے۔ اس محل کی تکمیل تو جب ہوتی جبکہ اس میں رہنے والے کی تمام ضرورتیں اس میں پوری ہوتیں۔

اب آپ غور کریں کہ بیت الخلاء کوئی اچھی جگہ نہیں ہے لیکن اس کے نہ ہونے کی وجہ سے ایک اچھا اور شاندار محل بھی ناقص رہ جاتا ہے۔ اور اس زمانے میں تو لوگوں نے اپنے کمروں کے اندر ایسے بیت الخلاء بنائے ہیں کہ بیچارہ ایک گاؤں والا کسی شہر والے کے یہاں آکر ٹھہر گیا۔ اس کو ضرورت محسوس ہوئی۔ اس نے بیت الخلاء کے دروازے کھول کر دیکھا تو اس میں ٹائل (TILT) لگے ہوئے تھے۔ شیشے لگے ہوئے تھے۔ اس نے کہا یہ اتنا خوبصورت کمرہ ہے یہ بیت الخلاء نہیں ہو سکتا۔

ایک نکتہ دوسری بات ذرا غور سے سن لیجئے گا وہ یہ کہ موجودہ تہذیب میں باپ دور، ماں دور، بھائی دور، بہن دور لیکن پاخانہ قریب۔ آپ کے کمرے سے جس کو اٹیچ باتھ روم (ATTACH BATH ROOM) کہتے ہیں، سب سے زیادہ قریب بیت الخلاء ہے اور باپ کا کمرہ، ماں کا کمرہ اور دوسرے رشتہ داروں سے بھی دور ہو گئے۔

تو میں نے یہ عرض کیا کہ بیت الخلاء تکمیل مکان کیلئے ضروری ہے حالانکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ بیت الخلاء کوئی اچھی جگہ نہیں ہے۔ کوئی وہاں آرام کرنے کیلئے نہیں جاتا چاہے کتنے ہی ٹائل لگا دئیے گئے ہوں چاہے کتنے ہی شیشے لگا دئیے گئے ہوں۔ ہر آدمی یہ کوشش کرتا ہے کہ اگر میں پانچ منٹ میں فارغ ہو جاؤں تو ساڑھے چار منٹ میں ہی

اور ایمان یہ دونوں آپس میں ٹکراتے رہیں گے۔ ان میں آپس میں تصادم ہوتا رہے گا۔ ان میں آپس میں مقابلہ ہوتا رہے گا۔ اللہ کی یہ سنت اور اللہ کا یہ طریقہ شروع سے چلا آرہا ہے۔ ہمارے عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ حضرت آدم (علیہ السلام) کے دو بیٹوں سے ہی یہ شروع ہو گیا۔ بلکہ اس سے بھی پہلے سے شروع ہو گیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے یہ کہا کہ تم بھی آدم کو سجدہ کرو۔ تاکہ آدم کی برتری کا اقرار تم سے ہو جائے۔ تو آپ کو معلوم ہے کہ اس نے کیا کہا؟ ابیٰ۔ انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ نہیں! یہ بات صحیح نہیں ہے کہ میں آدم کو سجدہ کروں بلکہ آدم کو چاہئے کہ وہ مجھے سجدہ کرے۔ مقابلہ وہیں سے شروع ہو گیا۔

دنیا کیسے آباد ہوئی

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے ہیں۔ ہابیل۔ قابیل۔ اس زمانہ کا طریقہ یہ تھا کہ صبح و شام یا ہر روز حضرت حوا۔ کو اولاد ہوتی تھی اور دو جڑواں بچے ہوتے تھے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ اور ایک پیٹ (حمل) سے جو لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتے تھے ان دونوں کے درمیان نکاح جائز نہیں تھا البتہ دوسرے پیٹ سے جو لڑکا پیدا ہوتا تھا اس کا نکاح پہلے پیٹ سے پیدا ہونے والی لڑکی کے ساتھ اور پہلے پیٹ سے پیدا ہونے والے لڑکے کا نکاح دوسرے پیٹ سے پیدا ہونے والی لڑکی کے ساتھ جائز تھا حالانکہ یہ دونوں بھی بھائی بہن تھے مگر اس میں دو پیٹوں کا فرق ہو جاتا تھا۔ ہابیل و قابیل یہ دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ انہیں دونوں کا واقعہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا
فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ

ان دونوں بھائیوں کو باپ نے یہ بتا دیا تھا کہ دیکھو! ہماری شریعت جو ابھی بالکل پرائمری (PRIMARY) اور ابتدائی درجہ کی شریعت ہے اسکا حکم یہ ہے کہ ایک

پیٹ کے بہن بھائیوں کے درمیان نکاح جائز نہیں ہے۔ نکاح کیلئے پیٹ کا فرق ہونا چاہئے۔ ایک بیٹے نے قبول کر لیا اور یہ کہا کہ میں اس بہن سے شادی کروں گا جو دوسرے پیٹ سے پیدا ہوئی ہے لیکن دوسرے بیٹے نے قبول نہیں کیا۔ اس نے کہا کہ میرے ساتھ جو بہن پیدا ہوئی ہے وہ حسین و خوبصورت ہے میں اسی سے نکاح کروں گا۔

جب قابیل نے حضرت آدم علیہ السلام کی بات نہیں مانی تو..... حضرت آدم علیہ السلام نے بہت سمجھایا، بھائی نے بھی بہت سمجھایا کہ یہ جائز نہیں ہے منشاء خداوندی کے خلاف ہے لیکن وہ نہیں مانا۔ تو حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے یہ بات کہی کہ خیر یہ تو ہمارا کہنا ہے، چلو، ایک طریقہ یہ ہے کہ خدا کیا چاہتا ہے وہ معلوم کر لو اور وہ طریقہ یہ ہے کہ تم دونوں قربانی کیلئے کچھ رکھو، جس کی قربانی قبول ہو جائے وہ حق پر ہو گا اور جس کی قربانی قبول نہ ہو وہ حق پر نہیں ہو گا۔ اس سے مقصد حضرت آدم علیہ السلام کا یہ تھا کہ ارے میاں، اگر ہماری بات نہیں مانتے ہو تو خدا کی تو مانو۔

چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں نے اپنی اپنی قربانی کی چیز رکھی، کسی نے گوشت رکھا، کسی نے گندم کی بالیاں رکھی اور اس زمانہ میں قربانی کے قبولیت کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے بجلی آتی تھی اور اس پر گرتی تھی جس کی وجہ سے وہ جل جاتا تھا۔ یہ قبول ہونے کی علامت تھی۔ تو وہ بیٹا جو حضرت آدم علیہ السلام کی بات مانتا تھا (ہابیل) اس کی قربانی قبول ہو گئی اور دوسرا (قابیل) جس نے انکار کیا اور یہ کہتا تھا کہ میں اپنے ساتھ پیدا ہوئی بہن سے نکاح کروں گا اس کی قربانی قبول نہیں ہوئی اور اس طریقہ سے اللہ کی رائے ظاہر ہو گئی لیکن اسے بڑا غصہ آیا۔

دنیا کا پہلا مقتول اس نے غصہ میں دوسرے بھائی سے کہا کہ لَاَقْتُلَنَّکَ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ دوسرے بھائی نے جواب دیا

لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ

اگر تو نے یہ ناپاک ارادہ کرلیا ہے کہ بغیر کسی وجہ کے اور بغیر کسی قصور کے تو مجھے قتل کردے گا تو بھائی تو جان۔ لیکن میں اس کے جواب میں ہاتھ اٹھا کر تجھے قتل کرنے کی کوشش نہیں کروں گا، میرے دل میں خدا کا خوف ہے۔ چنانچہ ایک بھائی (قابیل) نے دوسرے بھائی (ہابیل) کو قتل کردیا۔ یہ دنیا میں قتل کا پہلا واقعہ ہے اور حال یہ تھا کہ ابھی تک دنیا میں نہ کوئی انسان مرا ہے اور نہ کسی نے کسی کو قتل کیا ہے۔

دنیا کی ابتدائی حالت علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب اللہ نے اس کائنات کو پیدا کیا تو زمین کا کوئی چپہ بنجر نہیں تھا، زمین کا کوئی چپہ کھارا نہیں تھا کہ جس میں دھان نہ اگے۔ جس میں کوئی پیداوار نہ ہو۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ روئے زمین پر کوئی درخت ایسا نہیں تھا جو پھلدار نہ ہو اور یہاں تک لکھا ہے کہ سمندر کا پانی بھی میٹھا تھا۔ لیکن فرمایا کہ جب دنیا میں انسان نے سب سے پہلا گناہ کیا، بس اس گناہ کا ہونا تھا کہ اور بھی گناہ ہوتے چلے گئے۔ اور جوں جوں انسانوں کے گناہ بڑھتے چلے گئے زمین بنجر ہوتی چلی گئی اور زمین سے ایسے درخت پیدا ہونے لگے کہ جس میں پھل نہیں کانٹے ہوتے ہیں، یہاں تک کہ سمندر کا پانی بھی کڑوا ہو گیا۔ اور یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو عراق میں ایک بڑے عالم گذرے ہیں تیس جلدوں کے اندر ان کی ایک تفسیر ہے جسکا نام "روح المعانی" ہے یہ بات انہوں نے اپنی تفسیر کے اندر لکھی ہے۔

نوشیروان کیسے عادل بنا اور امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ لکھا ہے۔ میں نے شاید پہلے بھی بیان کیا ہے مگر کوئی حرج نہیں ہے یہ قند مکرر ہے اس لئے کہ عود کو جتنا گھسو گے اتنی ہی خوشبو اس میں سے نکلے گی۔ امام فخرالدین

رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جس سال پیدا ہوئے وہ نوشیروان عادل کا سال تھا۔ یعنی اس سال میں بادشاہ کی حکومت تھی جو نوشیروان کے نام سے موسوم تھا اور عادل کی صفت کے ساتھ مشہور تھا۔ اور فرمایا کہ نوشیروان عادل پہلے عادل نہیں تھا، اس کی زندگی میں ایسے واقعات گزرے ہیں کہ جن کی وجہ سے اللہ نے اس کو انصاف کا پابند بنا دیا۔

امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے نوشیروان عادل کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ نوشیروان عادل اپنے دوستوں کے ساتھ معمولی لباس پہن کر شکار کو گیا۔ کسی کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ بادشاہ ہیں۔ شکار میں پھرتے پھرتے پیاس لگی۔ اس نے اپنے مصاحبین میں سے کسی سے پوچھا کہ میاں! یہیں قریب میں کوئی باغ ہے؟ اس نے کہا ہاں! قریب میں ایک باغ ہے۔ وہ وہاں گیا اور جا کر مالی سے کہا میاں! مجھے پیاس لگ رہی ہے۔ تمہارے یہاں کچھ پینے کیلئے ہے؟ اس نے کہا ہاں اگر آپ کہیں تو پانی دے دوں اگر آپ کہیں تو پھلوں کا عرق دے دوں۔ پوچھا کیا چیز ہے؟ اس نے کہا میرے یہاں انار کا پھل ہے۔ نوشیروان عادل نے کہا: اچھا ایک انار توڑ کر دو۔ وہ گیا اور ایک انار توڑ کر لایا اور نوشیروان عادل کے سامنے ہی اس کے دانے نکالے۔ نوشیروان عادل کہتا ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے اتنے بڑے دانے والا انار نہیں دیکھا اور جب اس مالی نے اس کا عرق نکال کر نوشیروان عادل کو دیا اور اس نے اس کو پیا تو بے ساختہ کہنے لگا واہ! کیا مزیدار ہے! میرے ہی ملک میں ایسا باغ ہے اور مجھے پتہ نہیں؟ نوشیروان عادل نے اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ میں اس ملک کا بادشاہ ہوں میں اس باغ پر قبضہ کر لوں گا اس کے پاس رہنے نہیں دوں گا۔

نیت کا فتور برکت سے محرومی کا باعث

تھوڑی دیر کے بعد نوشیروان عادل نے پھر مالی سے کہا کہ اچھا بھائی! اب ہم جا رہے ہیں ایک انار اور لے آؤ۔ وہ دوسرا

انار لیکر آیا۔ اس کے دانے نکالے اور اس کا جوس (JUICE) بنا کر نوشیروان عادل کو دیا۔ نوشیروان عادل نے اس مالی سے کہا یار! اسی درخت سے لاتے ہوتے جس میں سے پہلا انار لائے تھے۔ اس نے کہا حضور! یہ تو اسی درخت میں سے لایا ہوں۔ اس نے کہا: اس میں سے تو اتنا عرق نہیں نکلا اور اس کا مزہ بھی ویسا نہیں ہے؟ کیا بات ہے؟ مالی کہتا ہے کہ جی حضور! ایسا لگتا ہے کہ اس ملک کے بادشاہ نے ظلم کا ارادہ کرلیا ہے جو پھلوں کا عرق خشک ہوگیا ہے اور اس کا مزہ پھیکا ہوگیا ہے: نوشیروان عادل کہتا ہے کہ مجھے یہ خیال ہوا کہ اگر میرے ظلم سے خلق خدا پریشانی میں مبتلا ہوتی ہے تو میری توبہ! یہ ایک ایسا فلسفہ ہے جس پر میں نے کبھی سوچا نہیں تھا۔ آج پتہ چلا کہ انسانوں کے ظلم سے پھلوں کے عرق بھی خشک ہوجاتے ہیں، چنانچہ اس نے یہ طے کرلیا کہ مجھے یہ باغ نہیں لینا ہے۔ اس کے بعد جب چلنے لگا تو کہا کہ بھائی! اب تو میرا یہاں آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے، ایک انار اور لیکر آؤ۔ مالی ایک انار اور لیکر آیا، اس کے دانے نکالے اور رس نچوڑ کر نوشیروان عادل کو دیا تو وہ حیران رہ گیا، یہ انار بہت اعلیٰ تھا، اس میں رس بھی بہت زیادہ تھا اور اس کا ذائقہ بھی بہت عمدہ تھا، نوشیروان عادل نے مالی سے کہا کہ بھائی! یہ کس درخت میں سے لائے ہو؟ اس نے کہا: جی حضور! یہ بھی اسی درخت سے لایا ہوں، نوشیروان عادل کہتا ہے کہ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ اس انار کا عرق بھی زیادہ ہے اور اس کا ذائقہ بھی بہت اچھا ہے؟ امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مالی نے یہ جواب دیا کہ حضور! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک کے بادشاہ نے ظلم سے توبہ کرلیا ہے۔

ظلم سے روزی کیسے تنگ ہوتی ہے؟ اندازہ لگائیے کہ ظلم سے انسان کی معیشت تنگ ہوجاتی ہے۔ انسان کی نافرمانی اور انسان کی معصیت سے انسان کی روزی تنگ ہوجاتی ہے اور جب انسان توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فراخی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

بھائی اللہ کے بندے! کونسی کتاب میں بزرگی کی یہ نشانی لکھی ہوئی ہے؟ بہت سے لوگ ایسے بھی تو ہوتے ہیں کہ ان کا معدہ کمزور ہوتا ہے اس لئے باجرہ کی روٹی نہیں کھا سکتے؟

خواجہ شہاب الدین سہروردی ﷺ کا اظہار عجز: حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کتاب میں یہ پڑھ لیا تھا کہ سرکار دو عالم ﷺ بغیر چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کھاتے تھے۔ انہوں نے بھی باورچی سے کہہ دیا کہ آج سے بغیر چھنے آٹے کی روٹی پکانا۔ چنانچہ وہ پکا کر لایا۔ لیکن چونکہ بغیر چھنے ہوئے آٹا میں بھوسہ زیادہ ہوتا ہے اس لئے جب انہوں نے کھایا اور عادت تھی نہیں پیٹ میں درد ہوگیا۔ مگر ادب تھا اس لئے زبان سے خلاف ادب کوئی لفظ نہیں نکالا۔ آجکل اگر ہم اور آپ جیسے لوگ ہوتے تو فوراً یہ کہہ دیتے کہ ارے بھائی! ہم تو اس سنت سے باز آئے۔ لیکن حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے خلاف ادب کوئی جملہ نہیں کہا۔ بلکہ باورچی کو بلا کر فرمایا کہ بھائی دیکھو، ہم نے تم سے کہا تھا کہ بغیر چھنے آٹے کی روٹی پکانا کیونکہ حضور اکرم ﷺ ایسا ہی کھایا کرتے تھے مگر ہم بڑے بے ادب اور گستاخ نکلے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں حالانکہ ہم آپ ﷺ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہم اس قابل نہیں ہیں اور اسکا ہم اقرار کرتے ہیں اس لئے آئندہ سے تم آٹے کو چھان کر روٹی پکانا۔

تو میں نے اس دیہاتی سے کہا کہ بھائی باجرہ کی روٹی اور دال زمین پر بیٹھ کر کھانا یہ کوئی بزرگی کی نشانی تو نہیں ہے۔ بعضے ایسے بھی تو ہوتے ہیں جو معدہ کے کمزور ہونے کی وجہ سے باجرہ کی روٹی نہیں کھا سکتے۔ اور تو مسور کی دال اور روٹی پکا کر کہے کہ صاحب! زمین پر بیٹھ کر کھاؤ، ہوسکتا ہے کہ کسی کے گھٹنے میں درد ہو اور وہ بیٹھ ہی نہ سکے؟ یہ کہاں کی بزرگی ہے؟ اس کے بعد کا قصہ تو مجھے معلوم نہیں ہے لیکن ہمارے اکابر و بزرگان دین

لی شان یہ تھی کہ انہیں اس بات میں کبھی عار نہیں تھی کہ وہ دال روٹی زمین پر بیٹھ کر کھالیں۔ لیکن ہاں، بعض پیروں کا قصہ میں نے سنا ہے

جھوٹے پیر کی بوکھلاہٹ کسی غریب نے آکر ایک پیر صاحب سے کہا کہ پیر صاحب! آپ تو بہت دعوتیں کھاتے رہتے ہیں ایک مرتبہ اس غریب کی بھی دال روٹی کھالیجئے۔ پیر صاحب نے یہ سوچا کہ میاں، کبھی تو دال روٹی ہی کہتے ہیں مگر کھلاتے تو مرغیاں ہی ہیں۔ یہ بھی دال روٹی کہہ رہا ہے مگر مرغی ہی کھلائے گا۔ انہوں نے دعوت قبول کرلی اب جو وہاں پہنچے تو دیکھتے ہیں کہ واقعی دال روٹی ہی رکھی ہوئی ہے۔ پیر صاحب سوچنے لگے کہ یہ تو بڑا نالائق نکلا، مجھ سے تو ایک لقمہ بھی نہیں چلے گا۔ اب اگر میں چھوڑ کر جاتا ہوں تو یہ بدنام کرے گا۔ اور کھاتا ہوں تو کھایا نہیں جاتا۔ پیر صاحب اسی سوچ میں تھے کہ ایک کتا آکر سامنے بیٹھ گیا۔ تو وہ جو دعوت کرنے والا تھا اس نے کتے کو بھگایا، وہ بھاگ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آکر بیٹھ گیا پھر اس نے بھگایا پھر آکر بیٹھ گیا تو دعوت کرنے والا کتے سے کہتا ہے کہ اوے بھاگ جا! ورنہ ڈنڈے سے تیرا سر پھوڑ دوں گا۔ تو پیر صاحب کو موقع مل گیا، وہ کتے سے کہنے لگے۔ تو اس کا کہنا مان لے۔ یہ آدمی ایسا ہے کہ جو کہتا ہے وہ کرکے دکھا دیتا ہے۔ اس کے یہاں حقیقت ہی حقیقت ہے مجاز کا کوئی نام ونشان نہیں ہے۔ مجھ سے بھی کہا، دال روٹی کھلاؤں گا اور واقعی وہی لاکر رکھ دیا۔ تو میں نے کہا کہ آجکل لوگوں نے بزرگی کیلئے نئی نئی نشانیاں بنائی ہیں۔

حضرت رکانہؓ اور رسول ﷺ ایک شخص جنکا نام رکانہ تھا سرکار دو عالم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ میں تو عربی کی فصاحت و بلاغت کو نہیں جانتا۔ معجزہ کو نہیں سمجھتا، میں تو پہلوان ہوں، میں آپ سے کشتی لڑنا چاہتا ہوں اگر آپ مجھے چت کردیں گے تو میں مان لوں گا کہ آپ سچے نبی ہیں میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے قبول کرلیا اور حضرت رکانہ

رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کیا حضرت رکانہؓ مقابلہ میں چت ہو گئے سرکار دو عالم ﷺ
اوپر ہیں اور حضرت رکانہ نیچے ہیں۔ اور جب حضرت رکانہ نے دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ
کا جسم اطہر میرے جسم سے الگ ہو رہا ہے تو وہ اور زیادہ اپنے جسم کو آپ کے جسم سے
لپٹانے لگے اس لئے کہ یہ موقع پھر کب ملے گا۔ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اسلام
قبول کرلیا [1]۔

نبی جامع الکمالات ہوتے ہیں لیکن یہ بات اور تھی یہاں اس واقعہ سے اصل
مقصد تو یہ دکھانا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ جنکو نبوت عطا فرماتے ہیں ان کے اندر سارے
سارے کمالات ہوتے ہیں کوئی کمال ایسا نہیں ہوتا کہ جس میں کوئی انسان نبی سے آگے
بڑھ جائے چاہے وہ جسمانی طاقت ہو چاہے وہ قوت بیان اور قوت گویائی ہو چاہے وہ
حسن ہو چاہے وہ علم ہو چاہے وہ عبادت ہو۔ کسی کمال کے اندر بھی کوئی انسان نبی
سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

نوکرانی کا استدلال ولایت کی علامت پر خیر! میں حضرت سلطان الاولیاء نظام
الدین رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ عرض کر رہا تھا کہ اس عورت نے اپنے آقا سے کہا کہ آپ
نے کیسے پوچھے بغیر مجھے حضرت سلطان جی کے حوالہ کر دیا جبکہ میں ان کی معتقد نہیں
ہوں۔ کیوں؟ آپ حضرات اس عورت کے اس نقطہ نظر کو یاد رکھئے گا۔ اس نے کہا
کہ میں اس کی معتقد ہوں گی جس کے دشمن اور مخالفین بھی موجود ہوں۔ اس لئے کہ
سرکار دو عالم ﷺ جب حق کے راستے سے گزرے تو انہیں مخالفت اور دشمنی سے
سابقہ پڑا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گزرے انہیں بھی مخالفت و دشمنی سے سابقہ پڑا۔ ائمہ کرام
رحمہم اللہ اجمعین گزرے انہیں بھی مخالفت و دشمنی سے سابقہ پڑا۔ اولیاء کرام گزرے
انہیں بھی مخالفت و دشمنی سے سابقہ پڑا۔ لیکن میں دیکھتی ہوں کہ حضرت سلطان جی کا

[1] ترمذی شریف ج ۱ / ۳۰۰

نہ کوئی مخالف ہے اور نہ کوئی دشمن ہے اس لئے میرا یہ خیال ہے کہ یہ حق کے راستے ہی پر نہیں ہیں۔ اگر یہ حق کے راستہ پر ہوتے تو وہی منزل ان کو بھی ملتی۔

آقا نے کہا کہ تُو تو بڑی منطقی نکلی۔ میں نے تو اس طرح سے کبھی غور ہی نہیں کیا ہے لیکن یہ کہ میں ان کا معتقد ہوں۔ اس لئے ایسا کرو کہ تم حضرت سلطان جی کی خدمت میں رہو پھر بھی اگر تمہارے دل میں اعتقاد پیدا نہ ہو تو تم ایک دو روز کے بعد واپس آجانا۔ اس نے کہا اچھا! وہ وہاں رہ گئی۔

نوکرانی بھی سلطان الاولیاء کی معتقد ہو گئی

اگلے دن جب صبح ہوئی تو اس زمانہ میں کھانا پکانے کیلئے چونکہ لکڑیاں جلتی تھیں جس کی وجہ سے مکانوں سے دھواں نکلتا تھا اسی طرح پڑوس کے ایک مکان سے دھواں نکل رہا تھا۔ یہ اس مکان میں گئی اور جا کر کہا کہ میں سلطان جی کی نوکرانی ہوں مجھے ان کیلئے ناشتہ بنانا ہے اس لئے آگ لینے آئی ہوں۔ ذرا ایک دو انگارے مجھے دے دو تاکہ میں جلدی سے حضرت سلطان جی کیلئے ناشتہ تیار کر دوں۔ یہ سنتے ہی وہ گھر والی عورت کہنے لگی۔ اچھا! تو سلطان جی کی نوکرانی ہے جا دیکھ لو! ہمیں آگ دینے میں تو کوئی اعتراض نہیں ہے باقی سلطان جی کیلئے ہم آگ دینے کو تیار نہیں ہیں۔ اور ان کو بہت سی گالیاں اور صلواتیں سنائیں۔ اب یہ عورت کہنے لگی کہ آج تک تو میں ان کی معتقد نہیں تھی لیکن اب معتقد ہو گئی کیونکہ ان کے بھی دشمن ہیں۔ اب تک تو میرا یہ خیال تھا کہ ان کا کوئی دشمن نہیں ہے مگر اب پتہ چلا کہ ان کے بھی دشمن دنیا میں موجود ہیں۔

اکبر بادشاہ کے دربار کا ایک نوٹنکی

شہنشاہ اکبر کے زمانہ کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ اس کے یہاں ہمیشہ ایسے ہی ناٹک اور ڈرامے ہوتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ آئیے صاحب! مجلس نبوت بنائیں۔ پوچھا کہ کس طرح بنائیں؟ کہنے لگا کہ ہم میں سے ایک کو نبی بنا کر باقی کسی کو ابوبکر، کسی کو عمر، کسی کو عثمان اور کسی کو علی بنالیں

مجلس نبوت بن جائے گی۔ تو لوگوں نے اکبر سے کہا کہ صاحب! آپ تو نبی ہیں اور یہ
بھی آپ کے آس پاس بیٹھے ہوئے ہیں یہ سب ابو بکر و عمر اور عثمان و علی ہیں،
بیچارہ ملا دوپیازہ وہیں کہیں کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔ کسی نے کہا۔ ارے یار! تم کہاں
تھے؟ یہاں تو مجلس نبوت بھی بن گئی اور تم آئے نہیں؟ کہنے لگا، اچھا! مجلس نبوت بن
گئی؟ انہوں نے کہا ہاں! بن گئی! ملا دوپیازہ نے کہا، پھر بتاؤ اس نبی کا ابو جہل کہاں
ہے؟ انہوں نے کہا۔ ارے! ابو جہل کا یہاں کیا کام؟ کہنے لگے کہ کسی نبی کی نبوت
اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک کہ اس کا کوئی ابو جہل نہ ہو۔ یہ ابو بکر و عمر
و عثمان و علی تو بن گئے لیکن ابو جہل کہاں ہے؟ انہوں نے کہا۔ اس سے تمہارا کیا
مطلب ہے؟ کہنے لگے، میرا کوئی مطلب نہیں ہے۔ مجھے کوئی عہدہ نہیں چاہئے بس میں اس
نبی کا ابو جہل ہوں اور کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ میں اس نبی کا ابو جہل ہوں، یہ نبی جھوٹا
ہے اور لعنة الله على الكذبين اس نبی پر اللہ کی لعنت ہو اور اس کے ساتھیوں
پر بھی اللہ کی لعنت ہو۔ تھے۔ تو میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ حق و باطل کے
درمیان اس وقت سے معرکہ آرائی چلی آ رہی ہے جب سے کہ دنیا قائم ہے یہاں تک کہ
سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ بھی یہ معرکہ پیش آیا۔ مکہ میں آپ پر کیا قیامت
گذری لیکن آپ صبر کا مظاہرہ کرتے رہے کیونکہ آپ کو یہ معلوم تھا کہ مقابلہ جتنا
سخت ہوگا خدا کے یہاں مرتبہ اتنا ہی بلند ہوگا۔

شہادت حسین رضی اللہ عنہ بھی معرکہ حق و باطل کی ایک اہم کڑی ہے

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اسی معرکہ حق و باطل کا ایک حصہ ہے۔ آپ کی
شہادت کا درجہ اور مقام اسی لئے بہت اونچا ہے کہ آپ نے دین کی حمایت کیلئے،
سنت رسول کی حمایت کیلئے اور اسلام کی حفاظت کیلئے مقابلہ کرتے ہوئے جان دے دی
خلافت و امارت کیلئے مقابلہ نہیں کیا۔ میرے دوستو! حضرت حسین کی یہ شہادت

قیامت تک یہ ہوگا اور ہے حق۔ علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب اور سچ کہا ہے فرمایا کہ ـ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

نبوت کا چراغ نبوت کا نور ہے اور شرار ابولہب کفر ہے۔ کفر نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ نور نبوت کو ختم کر دیا جائے لیکن نور ہمیشہ غالب آتا رہا ہے اور وہ قربانیاں مانگتا ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ قربانیاں دینے والوں نے اس کیلئے ہر طرح کی قربانی دی ہے یہاں تک کہ شہادت کے بلند اور اونچے مراتب پر فائز ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنی جان کو قربان کر کے حق کو غالب اور روشن کیا ہے۔

غرضیکہ حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی اللہ کی قدیم سنت ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہ صورت سامنے آئی چنانچہ اس کی رعایت اور اس کے تحفظ کیلئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مقابلہ کیا اور اس مقابلہ کے اندر اپنی قیمتی جان کو قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔

اس کے بارے میں انشاء اللہ کی دوسری نشست کے اندر تفصیل کے ساتھ واقعات پیش کروں گا۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا

اتباعه وارنا الباطل وارزقنا اجتنابه

سبحان ربك رب العزة عما يصفون

وسلام على المرسلين

والحمد لله رب العالمين